



السنّة

AHL US SUNNAH

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

میں اور قوم

05

قرآنی آیات کے جواب کا حکم قسط (۶)

15

سجدہ تلاوت کی دعاؤں کی تحقیق (پہلی قسط)

20

مفتی اور مستفتی کے آداب

28

امام ابو عبد الرحمن محمد بن الحسین السلی رحمہ اللہ کی توثیق

35



قال ابن القيم - رحمه الله :-
"الْجُودُ بِالْعِلْمِ وَبَذَلِهِ. وَهُوَ مِنْ أَعْلَى مَرَاتِبِ الْجُودِ.
وَالْجُودُ بِهِ أَفْضَلُ مِنَ الْجُودِ بِالْمَالِ. لِأَنَّ الْعِلْمَ أَشْرَفُ مِنَ الْمَالِ"

امام ابن قیم - رحمہ اللہ - فرماتے ہیں:
سخاوت و فیاضی کی ایک قسم، علم عطا کرنے اور
اسے خرچ کرنے کے ذریعہ فیاضی و سخاوت کرنا ہے۔
اور یہ سخاوت کا اعلیٰ مقام ہے۔
علم کے موتی بکھیرنا مال و دولت کے انبار لٹانے سے افضل ہے
کیوں کہ علم مال سے زیادہ قیمتی اور نامول ہے۔

مدارج السالکین بین منازل إياك نعبد وإياك نستعين (279/2)



AHL US SUNNAH Volume No.7, Issue No.76, March 2018

جلد: ۷

فی شماره Rs. 30/-

شماره: ۷۶

سالانہ Rs. 300/-

مارچ ۲۰۱۸ء



اهل السنة ممبئی

مدیر اعلیٰ: رضاء اللہ عبد الکریم مدنی

مدیر: عبدالشکور عبدالحق مدنی | معاونین: ابوالبیان رفعت سلفی، حافظ اکبر علی سلفی

نائب مدیر: کفایت اللہ سنابلی | فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی

گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبد الرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ٹیل

مجلس مشاورت

• شیخ محفوظ الرحمن فیضی • دکتور عبید الرحمن مدنی

• شیخ نور الحسن مدنی • شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبر شپ رابطہ نمبر:

022-26500400 / 8291063765

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400058 | Ph.:022-26500400
Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal
Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road,
Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

الاهل السنة

اداریہ	میں اور قوم	عبد اشکور عبد الحق مدنی	05
عقیدہ و منہج	اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بعض صفات	اشفاق احمد سنابلی	08
تحقیق مسائل	قرآنی آیات کے جواب کا حکم قسط (۶)	کفایت اللہ سنابلی	15
بحث و تحقیق	سجده تلاوت کی دعاؤں کی تحقیق (پہلی قسط)	حافظ اکبر علی اختر علی سلفی	20
علمی اصول و ضوابط	مفتی اور مستفتی کے آداب	تحریر: فضیلۃ الدین نور الشیخ صالح بن فوزان ترجمانی: رضوان اللہ علیہ الرفوف سراہی	28
جرح و تعدیل	امام ابو عبد الرحمن محمد بن الحسین السلمی رحمہ اللہ کی توثیق	سید انور شاہ راشدی	35
تزکیہ نفس	دنیا کی حقیقت اور آخرت کا مقام	ابوالبلیان رفعت سلفی	42
تزکیہ نفس	اخلاص نیت: اہمیت اور ضرورت	جمیل احمد ضمیر	48

میں اور قوم

عبد الشکور بن عبد الحق مدنی

گفتگو اوروں کی نہیں اپنوں کی ہے اور اپنوں سے کی جانی چاہئے ہم تو وہ قوم ہیں کہ اجتماعیت ہمارے خمیر میں رکھی گئی ہے پچگانہ نماز، نماز جمعہ، عیدین، حج یہ سب اس قوم کو اجتماعیت کا درس دیتے ہیں۔

ہمارے رب نے ہمیں بھائی بھائی کہا ہے: ﴿انما المؤمنون اخوة﴾ (الحجرات: ۱۰) اور ہمارے بھائی چارہ کو صرف دنیا تک سمیت نہ کیا بلکہ اسے آخرت تک وسیع کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَنَزَعْنَا فِي صُلُوبِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلٰی سَنَدٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾ (الحجر: ۷۷) ”اور ہم ان کے دلوں سے کینہ کپٹ نکال دیں گے وہ بھائی بھائی بن کر تختوں پر آئیں سانسے براجمان ہوں گے۔“

اور ہمارے نبی محترم ﷺ نے اس اخوت کو ایک بے مثال، مثال کے ذریعہ ہمارے ذہن و دماغ میں پیوست کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرمایا: ”مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادُّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالشَّهْرِ وَالْحَمَى“۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۶) ”مومنوں کی مثال ان کی دوستی اور اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی (یعنی سب مومن مل کر ایک قالب کی طرح ہیں) بدن میں جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس میں شریک ہو جاتا ہے، نیند نہیں آتی، بخار آ جاتا ہے۔ (اسی طرح ایک مومن پر آفت آئے تو سب مومنوں کو بے چین ہونا چاہیے اور اس کا علاج کرنا چاہیے)۔“

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: ”ایک

فی زمانہ امت مسلمہ شکست و ریخت کا شکار ہے اور صورت حال یہ ہے کہ عربی کا مقولہ پردہ ذہن میں ابھرتا ہے کہ ”اتسع الخرق علی الواقع“۔ یعنی یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب اس امت کا کچھ نہیں ہو سکتا ایک نظر دوڑائیں تو اس کا پورا جسم چھلنی اور ہر عضو رستا نظر آتا ہے۔ بہر حال ہم مایوس نہیں ہیں، ہم اپنی سی کر رہے ہیں اپنی تنزلی کے اسباب اور اس کے علاج کی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آج انہیں اسباب میں سے ایک سبب اور اس کے ارد گرد تھوڑی سی گفتگو یا یہ کہنے خامہ فرسائی کی جسارت ہے اس اعتراف کے ساتھ کہ شاید یہ آواز مدہم ہو لیکن اس امید کے ساتھ کہ اس احساس کو دلوں میں جگانے کی ضرورت ہے یہ چنگاری امت کے نہاں خانوں میں دبی ہے اور موجودہ مادیت کے طوفان بلاخیز نے اسے سرد کر دیا ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس چنگاری کو شعلہ بنانے کی تگ و دو کی جائے۔ آخر ہم کب تک خواب غفلت میں پڑے رہیں گے؟ کب تک شتر مرغ کی طرح ہم درپیش مسائل سے اپنی گردنیں ریت میں ڈالے رہیں گے؟ اب تک تو ہم نے ویسے ہی دیر کر دی ہے اب اور کتنی لا پرواہی، بے توجہی اور اسکے نتائج کو جھیلیں گے اور پھر یہی بلکہ اس سے بھی بھیا تک مسائل و مشکلات آئندہ نسلوں کو وراثت میں دے کر جائیں گے۔

آج مادیت کے عفریت نے جہاں اوروں کے اخلاق و مروت، رحمہلی اور اوروں کی خبر گیری کے جذبات کو لوٹا ہے وہیں مغملہ مسلمان بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں بلکہ انکے شانہ بشانہ ہیں۔ اور

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ ﴿۱﴾ ”اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور غور کرو کہ تم نے اپنی جانوں کے لیے کیا بھیج رکھا ہے جو کل کام آئے۔“ (پھر تو صدقات کا بازار گرم ہوا) اور کسی نے اشرفی دی اور کسی نے درہم، کسی نے ایک صاع گہیوں، کسی نے ایک صاع کھجور دینا شروع کیے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک ٹکڑا بھی کھجور کا ہو۔ (جب بھی لاؤ) پھر انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلی لایا کہ اس کا ہاتھ تھکا جاتا تھا بلکہ تھک گیا تھا، پھر تو لوگوں نے تار باندھ دیا یہاں تک کہ میں نے دو ڈھیر دیکھے کھانے اور کپڑے کے اور یہاں تک (صدقات جمع ہوئے) کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو میں دیکھتا تھا کہ چمکنے لگا تھا گویا کہ سونے کا ہو گیا تھا، جیسے کندن۔ (صحیح مسلم: ۱۰۱۷)

اسی طرح آپ ﷺ کس قدر مسلمانوں کے روزمرہ کے مسائل کے سلسلے میں فکر مند رہا کرتے تھے اس پر دلالت کرنے والا ایک واقعہ اور دیکھیں: ایک دفعہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ انکے یہودی مالک نے انکی آزادی کی یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اس کے لئے مقررہ تعداد میں کھجور کے درخت لگائیں اور اسے ایک مخصوص مقدار میں سونادیں۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارے بھائی نے ان شرطوں پر اپنے مالک سے مکاتبت کی ہے سو مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ساری رقم ادا ہو گئی، صرف ایک یا دو گٹھلی کے برابر سونا ادا کرنا باقی رہ گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اسے ادا کیا اور انہیں تجارت کرنے کا حکم دیا اور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے بہت سارے کھجور کے درخت لگائے۔ (صحیح دلائل النبوة للوادعی: ص ۲۱۴)

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں مؤمنین سے ان سے بھی زیادہ قریب ہوں اور کسی مسلمان کا انتقال ہوتا ہے اور وہ مقروض تھا اور اسے ادا کرنے کے لئے اس نے مال نہیں چھوڑا تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے، اور جو مسلمان مال چھوڑ

مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی اینٹ کی طرح ہے وہ ایک دوسرے کو مضبوطی پہنچاتے ہیں جس طرح عمارت کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں۔“ (صحیح مسلم: ۲۵۸۵)

اور اس اجتماعیت اور قوم کے بارے میں فکر مند رہنے کی آپ ﷺ کی تعلیمات صرف ربانی تھیں بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عمل و کردار کے ذریعہ امت کے لئے اس باب میں بھی بہترین اسوہ و نمونہ چھوڑا ہے ویسے بھی اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (النوبة: ۱۲۸) ”تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہاری مصرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔“

چنانچہ رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کے بارے میں کتنے فکر مند رہا کرتے تھے اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا منذر بن جری رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے دن کے شروع میں، سو کچھ لوگ آئے ننگے پیر ننگے بدن، گلے میں چمڑے کی عبائیں پہنی ہوئیں، اپنی تلواریں لٹکائی ہوئیں اکثر بلکہ سب ان میں قبیلہ مضر کے لوگ تھے اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک بدل گیا ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر آپ ﷺ اندر گئے، پھر باہر آئے (یعنی پریشان ہو گئے۔ سبحان اللہ! کیا شفقت تھی اور کیسی ہمدردی تھی) اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اذان کہو اور تکبیر کہی اور نماز پڑھی اور خطبہ پڑھا اور یہ آیت پڑھی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ ”اے لوگو! ڈرو اللہ سے جس نے تم کو بنایا ایک جان سے (یہ اس لیے پڑھی کہ معلوم ہو کہ سارے بنی آدم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ ذَقِيبًا﴾ تک۔ پھر سورہ حشر کی آیت پڑھی ﴿اتَّقُوا اللَّهَ

قطاروں میں ہیں ہی نہیں۔

کیا ہم قوم کے لئے قربانی دیں گے؟ کیا ہم اپنے پیسوں کو شادی بیاہ اور فنکشنوں کی فضول خرچیوں سے آزاد کر کے قوم کی اشک شوئی میں لگا سکیں گے؟ کیا ہماری صلاحیتیں ذاتی مفادات سے اٹھ کر قوم کی ترقی و فلاح میں لگ سکیں گی؟ اور ہمیں ایسا کرنا ہوگا۔

ورنہ ہماری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں۔

جواہر سنت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی مومن پر سے کوئی سختی دنیا کی دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر آخرت کی سختیوں میں سے ایک سختی دور کرے گا۔ اور جو شخص مفلس کو مہلت دے (یعنی اس پر تقاضا اور سختی نہ کرے اپنے قرض کے لیے) اللہ تعالیٰ اس پر آسانی کرے گا دنیا اور آخرت میں۔ اور جو شخص کسی مسلمان کا عیب ڈھانکے گا دنیا میں، تو اللہ تعالیٰ اس کا عیب ڈھانکے گا دنیا اور آخرت میں۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں رہے گا جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہے گا اور جو شخص راہ چلے علم حاصل کرنے کے لیے (یعنی علم دین، خالص اللہ کے لیے) اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ سہل کر دے گا اور جو لوگ جمع ہوں اللہ کے کسی گھر میں اللہ کی کتاب پڑھیں اور ایک دوسرے کو پڑھائیں تو ان پر اللہ کی سکینت اترے گی اور رحمت ان کو ڈھانپ لے گی اور فرشتے ان کو گھیر لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کرے گا اپنے پاس رہنے والوں میں (یعنی فرشتوں میں) اور جس کا عمل (یعنی اسکی بدعملی یا بے عملی) اسے پیچھے کر دے تو اس کا حسب و نسب اسے آگے نہیں کر سکتا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۹۹)

جائے تو وہ اسکے ورثہ کے لئے ہے۔

ان تمام نصوص و واقعات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کی ایک نہایت ہی بنیادی تعلیم مسلمانوں کے تئیں فکر مند رہنا اور انکے دکھ و درد میں داسے درمے سخن شریک ہونا ہے۔ آج ہم جس پستی، تنزلی اور کمپرسی کا شکار ہیں اسکی بہت سی گونا گوں وجوہات و اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ آج ہم *الْاَمْنِ دِجَمِ دَبِی*۔ مادیت کی لہر میں بہہ چکے ہیں ہم میں سے ہر ایک کو صرف اپنی پڑی ہے۔ اپنی روزی روٹی اپنی کاروباری ترقی، اپنا بینک بیلنس، اپنے گھر والوں بیوی بچوں کے آرام و راحت اور انکے روشن مستقبل کی فکر۔ لیکن قوم کے اجتماعی مستقبل کی فکر ہم میں اکثر کو نہیں ہے۔ اسی لئے تو ہمیں مسجد، مدرسوں کے لئے کشتول گدائی لئے پھرنا پڑتا ہے، اسی لئے تو ہمارے پاس اپنے اسکول و کالج نہیں ہیں، ہمارے خیراتی اسپتال نہیں ہیں ہمارے پاس یتیم خانے نہیں ہیں، نفسیاتی مریضوں کے علاج کے لئے کوئی ادارہ نہیں ہے، طلبہ کے اسکا لرشپ کا کوئی انتظام نہیں ہے، ہم غربی کی چلی سطح پر ہیں لیکن قوم سے غربت دور کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل ہمارے پاس نہیں ہے، منشیات کی لعنت ہمارے نوجوانوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے لیکن ہمارے پاس اسے روکنے کے لئے کوئی سنسٹھہ کوئی تنظیم نہیں ہے اور آنکھ پر نم اس لئے ہوتی ہے کہ ہمیں اسکی کوئی فکر نہیں ہے ہمیں وہ اپنا مسئلہ لگتا ہی نہیں ہے۔ قوم کی بچیوں کی شادی کا مسئلہ درد سر بنا ہوا ہے لیکن کان پر جوں نہیں رینگتی۔ ہم صرف اپنی جیب، اپنا منہ اور اپنا پیٹ بھرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اگر ساری دنیا کی قومیں اپنی اپنی قوم کے لئے ٹرسٹ بنا کر مل جل بڑے بڑے کام کر سکتی ہیں تو ہم کیوں نہیں؟ ہم کب اپنی انا کے خول سے باہر آئیں گے؟ کب ہم قوم و ملت کے مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دینے کا کارنامہ انجام دیں گے۔ اب بچا کیا ہے رونے اور سر پیٹنے کو ہر قطار میں تو ہم آخری ہیں یا شاید ہم تو بہت سی

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بعض صفات

اشفاق احمد سنابلی

اہلسنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العالمین ہمیشہ ہمیش کے لئے صفت کلام سے متصف ہے جو کہ اس کے ارادے اور مشیت پر معلق ہے، جب چاہتا ہے جس سے چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے حقیقی طور پر، حرف و صوت کے ساتھ جیسا اس کے لائق اور زیبا ہے کلام کرتا ہے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

ا۔ ”وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اللَّهُ قِيلًا“۔ (النساء: ۱۲۲)

”اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔“

ب۔ ”وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اللَّهُ حَدِيثًا“۔ (النساء: ۷۲)

”اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔“

ان دونوں آیتوں میں استفہام انکاری ہے جو کہ مجرد نفی سے زیادہ پختہ ہے کیونکہ اس میں چیلنج ہوتا ہے کہ اللہ سے زیادہ سچا کلام والا کوئی نہیں ہے۔

ج۔ ”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ“۔ (المائدہ: ۱۱۶)

”اور جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ بن مریم۔“

لفظ ”یا عیسیٰ“ ترکیب میں قول کا مقولہ ہے جو کہ حروف پر مشتمل ایک جملہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین کلام کرتا ہے اور اس کا کلام سنا گیا اس بنیاد پر صوت کے ذریعہ کلام کرنے کے ساتھ ساتھ کلمے اور جملے میں مشتمل ہونا بھی ثابت قرار پاتا ہے۔

د۔ ”مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ“۔ (البقرہ: ۲۵۳)

”ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن سے اللہ رب العالمین نے

کلام کیا۔“

توحید کی تین قسموں میں سے ایک اہم قسم ”توحید اسماء و صفات“ کی تعریف، بنیادی ضابطے اور قواعد نیز تشبیہ و تمثیل اور تحریف و تعطیل کے مابین وسطیت پر قائم اہل سنت والجماعت کا موقف، یہ تمام امور گزشتہ کئی شماروں میں بیان کئے گئے۔ جس سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے جو اسماء و صفات قرآن میں وارد ہوئے ہیں یا اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے فرمان میں بیان کئے ہیں ان کو ویسے ہی بلا تکلیف و تمثیل تسلیم کر لیا جائے، کسی اسم کو چھوڑا جائے نہ کسی اسم کا اضافہ کیا جائے، عقل کو معیار بنانے کے بجائے کتاب و سنت پر اعتماد کیا جائے کیونکہ اس باب میں گمراہی عقل کو معیار بنانے کے راستے سے ہی داخل ہوئی ہے۔ آنے والی سطور میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بعض صفات کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں تاکہ یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ عقلی گھوڑا دوڑانے والے معطلہ و متکلمین کس طرح گمراہیوں کے دلدل میں جا گرے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کے اسماء و صفات کو اس کی شان کے مطابق ثابت کرنا ہی عین توحید ہے۔ اسی سے آدمی کا ایمان اللہ پر پختہ ہوتا ہے اور وہ اس کے اسماء و صفات کے حوالے سے عبودیت کے مقام کو پانے والا ہوتا ہے اس کے تہر سے ڈرتا ہے، رحمت کا متلاشی ہوتا ہے۔ اور جو اللہ کے اسماء و صفات کی تاویل کرتا ہے یا ان کا انکاری ہے تو وہ باری تعالیٰ کی معرفت سے محروم ہو کر عظیم خسارے سے دوچار ہوتا ہے۔

۱۔ صفت کلام:

ہ۔ ”وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ“۔ (الاعراف: ۱۴۳) ”اور جب موسیٰ علیہ السلام میقات پر آگئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا“۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کلام، مشیت الہی پر منحصر ہے کیونکہ کلام موسیٰ کے آنے کے بعد ہوا، ان کے آنے سے پہلے نہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ کلام، مشیت الہی پر منحصر ہے اور اشاعرہ کا قول باطل ہے جو کہتے ہیں کہ ”صفت کلام“ باری تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس کی مشیت پر معلق نہیں ہے۔
و۔ ”وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا“۔ (مریم: ۵۴)

اور ہم نے اسے طور کے واسطے جانب سے آواز دی اور سرگوشی کے لئے قریب کیا۔

منادی اور مناجات میں فرق یہ ہوتا ہے کہ نداء بعید کے لئے اور مناجات قریب والے سے ہوتی ہے اور بدیہی طور پر دونوں ہی کلام ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین جیسے چاہتا ہے نداء یا مناجات کسی بھی شکل میں کلام کرتا ہے اس کے علاوہ اور بے شمار آیات ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلام، اللہ رب العالمین کی صفت ہے۔

سنت سے اس کی دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”يَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا آدَمُ، يَقُولُ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، الْحَدِيث“
--- ”اللہ رب العالمین قیامت کے دن کہے گا“ اے آدم“ پس وہ کہیں گے حاضر ہوں اے میرے پروردگار اور تیری خوشی کا طالب ہوں“۔ (صحیح البخاری ۳۸۳۱۴)

ان تمام دلائل کی روشنی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفت کلام کے سلسلے میں اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیشہ سے صفت کلام سے متصف ہے، ہمیشہ رہے گا جب چاہتا ہے اصوات و حروف کے ساتھ کلام کرتا ہے اور اس کی

صفت کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے مخلوق نہیں کہ اس سے علیحدہ ہو جائے۔ البتہ دیگر باطل فرقوں نے اس میں کافی اختلاف کیا ہے چنانچہ معتزلہ نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام کو اس کی ذات سے علیحدہ مخلوق قرار دیا۔ البتہ کلابیہ اور اشعریہ نے باری تعالیٰ کے صفت کلام کو اس کی ذات کے ساتھ ازلی وابدی لازم قرار تو دیا لیکن اس کی مشیت اور قدرت پر معلق اور اصوات و حروف پر مشتمل ہونے سے انکار کر دیا۔

غلاۃ کی جماعت صفت کلام کے سلسلے میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ یہ حروف و اصوات پر مشتمل تو ہیں لیکن قدیم ہیں جو ذات کے ساتھ لازم ہیں اور ازلی ہیں ازل میں جو اللہ رب العالمین نے کلام کیا، صرف اتنا ہی اس کے بعد اب وہ کلام نہیں کرتا ہے اور نہ ہی کرے گا۔

کرامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ صفت کلام باری تعالیٰ کے ساتھ حادث ہے جو اس کی مشیت اور قدرت پر معلق ہے ابتداء ذات کے ساتھ قائم تھا مگر ازل میں باری تعالیٰ نے کچھ بھی کلام نہیں کیا۔ (شرح العقیدۃ الواسطیۃ: ۶۷)

قرآن کریم: قرآن کریم کے سلسلے میں اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن عربی زبان میں اللہ رب العالمین کا نازل کردہ کلام ہے جو مخلوق نہیں اس کی طرف سے ابتداء یہ کلام صادر ہوا اور اسی کی طرف پلٹ کر جائے گا پس یہ اللہ رب العالمین کا حقیقی کلام ہے کسی دوسرے کا کلام نہیں۔

اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ”وَإِنْ أَخَذَ مِنَ الْمُنْشِرِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجْزُهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلَغَهُ مَأْمَنَهُ، ذَالِك بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْلَحُونَ“۔ (التوبة: ۶) ”اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے پھر اس کو اسکی امن کی جگہ واپس پہنچا دو۔ اس لئے کہ یہ بے خبر لوگ ہیں“۔

یہاں کلام سے مراد بالاتفاق قرآن کریم ہے۔ (شرح العقیدۃ

کی بادشاہت، ملکہ سب کی ملکیت میں داخل نہیں تھی۔

مزید یہ کہ اللہ رب العالمین نے فرمایا: ”أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ“۔ (الاعراف: ۷۵) ”دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے)۔ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔“

پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خلق کو ایک چیز اور امر کو دوسری چیز قرار دیا کیونکہ عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے۔

اور قرآن یہ امر ”حکم“ میں سے ہے اللہ رب العالمین کا یہ قول اس پر دلیل ہے: ”وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ زَوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا“۔ (الشوری: ۵۲) ”اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف (قرآن) بھیجا ہے۔“

یہاں روح سے مراد قرآن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) چنانچہ (روح) قرآن کا امر سے ہونا مخلوق سے الگ ایک نوع ہے اگر قرآن مخلوق ہوتا تو تقسیم صحیح نہ ہوتی۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اگر قرآن کو مخلوق قرار دیا جائے گا تو یہ امر لازم آئے گا کہ اس کی تمام صفات مخلوق ہیں کیونکہ جس طریقے سے سمع و بصر، اللہ کی صفات ہیں اسی طرح کلام بھی اللہ کی صفت ہے مخلوق نہیں۔

۲۔ روایت باری تعالیٰ:

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو آخرت میں نگاہوں سے دیکھا جائے گا اس سلسلے میں دلائل حسب ذیل ہیں:

(الف) ”وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ، إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ“۔ (القیامہ: ۲۲-۲۳) ”اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور باروق ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“

اس آیت کریمہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ خوش و خرم اور تروتازہ چہرے اللہ عز و جل کی طرف دیکھ رہے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کے حسن میں، تروتازگی میں اور اضافہ ہو جائے گا

آیت کے اندر پناہ دینے کی غایت جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کلام اللہ سن لے تاکہ اس کے ایمان لانے میں یہ چیز مؤثر اور فائدہ مند ہو اور یہ چیز قرآن کریم میں ہی ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ”شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ“۔ (البقرہ: ۱۸۵) ”رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔“

اللہ کا فرمان ہے: ”وَإِنَّمَا مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ كِتَابِ رَبِّكَ لَا يُبَدِّلُ لِكَلِمَاتِهِ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا“۔ (الکہف: ۲۷) ”اور اپنے پروردگار کی کتاب جو تمہارے پاس بھیجی جاتی ہے پڑھتے رہا کرو۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور اس کے سوا تم کہیں پناہ کی جگہ بھی نہیں پاؤ گے۔“

ان دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم اللہ رب العالمین کا کلام ہے اسی کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

معتزلہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ مخلوق ہے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ”اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ“۔ (الزمر: ۶۲) ”اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی ہر چیز کا نگراں ہے۔“

پس قرآن بھی تمام چیزوں میں سے ایک چیز ہے جس کا اللہ خالق ہے اور قرآن مخلوق ہے اس استدلال کا دو جواب دیا گیا ہے:

۱۔ قرآن اللہ رب العالمین کا کلام ہے اور کلام اللہ رب العالمین کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور خالق کی صفات مخلوق نہیں ہوتیں۔

۲۔ کل شیء کی تعبیر عام ہے جس سے کبھی خاص مراد لیا جاتا ہے اس کی مثال اللہ رب العالمین کا ملکہ سب کے سلسلے میں یہ قول ہے: ”وَأَوْثِقْتُ مِنَ كُلِّ شَيْءٍ“۔ (النمل: ۲۳) ”اے ساری چیزیں دی گئیں تھیں“۔ لیکن یہ قطعی بات ہے کہ سلیمان علیہ السلام

کہے گا اہل جنت تم کو اور کچھ چاہیے؟ وہ جواب دیں گے باری تعالیٰ کیا تم نے ہمارے چہروں کو خوش و خرم اور تروتازہ نہیں کیا؟ کیا تم نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کیا اور جہنم سے بچایا؟ پس اللہ رب العالمین حجاب ہٹائے گا اور جو کچھ اہل جنت کو دیا گیا ہے ان میں سب سے زیادہ محبوب ان کے نزدیک اللہ رب العالمین کا دیدار ہوگا۔“

ایک دوسری روایت میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس آیت: ”لَلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ“ (یونس: ۲۶) کی تلاوت بھی کی۔

د۔ ”لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ“ (ق: ۳۵) ”یہ وہاں جو بھی چاہیں انہیں کا ہے بلکہ ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔“ ”وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ“ کا مفہوم علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ جو وہ چاہیں گے اس کے علاوہ اور بھی ہمارے پاس ہے جس سے میں انہیں نوازوں گا۔

اور ”مزید“ کی تفسیر بہت سارے علماء نے وہی کی ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ”زیادہ“ کی تفسیر کی ہے یعنی اللہ رب العالمین کا دیدار۔

ھ۔ ”كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ“ (المطففين: ۱۵) ”ہرگز نہیں آج کے دن یہ دیدار باری تعالیٰ سے محروم رہیں گے۔“

اس آیت میں وجہ دلالت یہ ہے کہ جب فاجر و فاسق لوگ دیدار الہی سے محروم رہیں گے تو اہل رضا بدیہی طور پر اللہ رب العالمین کو دیکھیں گے۔ اگر اللہ رب العالمین سے ہر کوئی محبوب ہوتا تو ان فجار کے لئے محبوبی ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

پس رویت باری تعالیٰ کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ مومنین، متقین، صالحین، آخرت میں دیدار الہی سے مشرف کئے جائیں گے اور یہ دیدار حقیقی آنکھوں سے ہوگا۔ قرآن کے یہ دلائل واضح پختہ اور ٹھوس ہیں جس میں انکار کی

ساتھ ہی اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ یہ رویت عینی ہوگی کیونکہ جو رویت چہرے سے ثابت ہو وہ عینی ہی ہوتی ہے جسے بصارت کا نام دیا جاتا ہے۔ برخلاف دل سے دیکھنا جسے بصیرت اور تدبر و تفکر کا نام دیا جاتا ہے۔

ب۔ ”عَلَى الْأَرَْائِكِ يَنْظُرُونَ“ (المطففين: ۲۳) ”مسہریوں پر بیٹھے وہ دیکھ رہے ہوں گے۔“

اس آیت میں دیکھی جانے والی چیز مذکور نہیں ہے لہذا ہر اس چیز کے لئے عام ہوگی جسے اہل جنت بطور نعمت دیکھیں اور یہ بدیہی امر ہے کہ سب سے عظیم نعمت رویت باری تعالیٰ ہی ہے جس سے جنتیوں کے چہرے کھل اٹھیں گے جس کا تذکرہ اللہ رب العالمین نے اگلی آیت میں یوں کیا: ”تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ“ (المطففين: ۲۴) ”آپ ان کے چہروں پر تروتازگی اور بشارت پہچان لو گے۔“ اور سابقہ آیت ”عَلَى الْأَرَْائِكِ يَنْظُرُونَ“ (المطففين: ۲۳) کا سیاق بتا رہا ہے کہ تروتازگی رب کی طرف دیکھنے سے ہی بڑھے گی۔

ج۔ ”لَلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ“ (یونس: ۲۶) ”نیکیاں کرنے والوں کے لئے بھلائی بھی ہے اور مزید کچھ اور بھی۔“

اس آیت میں بھی رویت باری تعالیٰ کا اثبات ہے قرآن کے معنی کو سب سے زیادہ سمجھنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تفسیریوں کی ہے:

عَنْ صَهْبِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ثَرِيدُونَ شَيْئًا أَزِيدُكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وَجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ، فَمَا أُعْطُوا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ“ (صحیح مسلم (۱/۱۶۳)) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے اللہ رب العالمین

گنجائش نہیں۔

سنت کے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: "أَنَّ نَاسًا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ نَرَى زَيْنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ» قَالَ: «هَلْ تُضَارُونَ فِي رُؤْيَا الشَّمْسِ بِالظُّهْرِ صَحْوًا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ؟ وَهَلْ تُضَارُونَ فِي رُؤْيَا الْقَمَرِ لَيْلَةً الْبَدْرُ صَحْوًا لَيْسَ فِيهَا سَحَابٌ؟» قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: "مَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَا اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا كَمَا تُضَارُونَ فِي رُؤْيَا أَحَدِهِمَا"۔ (صحیح مسلم ۱۶۷/۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ”کچھ لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اور عرض کیا کہ تم دوپہر میں آفتاب کو بدلی کے بغیر دیکھنے میں کچھ تکلیف محسوس کرتے ہو؟ اور کیا اسی طرح سے چودھویں رات میں چاند کو بدلی کے بغیر دیکھنے میں کچھ تکلیف محسوس کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حتیٰ تکلیف تمہیں ان دونوں میں سے کسی کو دیکھنے میں ہوتی ہے اتنی ہی تکلیف اللہ کو دیکھنے میں ہوگی۔“ (یعنی بلا مشقت تم اللہ کا دیدار کرو گے۔)

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: "كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَظُرُ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً - يَغْنِي الْبَدْرُ - فَقَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ، كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَا»۔ (صحیح البخاری ۱۱۵/۱)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ: ”ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا: ”یقیناً تم اپنے رب کو قیامت کے دن ایسے ہی دیکھو گے جیسے اس کو دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں تمہیں ذرا بھی

پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“

ان واضح دلائل و براہین کے باوجود اہل تعطل میں سے معتزلہ اشاعرہ اور جہمیہ وغیرہ اس عقیدہ کا انکار کرتے ہوئے روایت باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے عقلی و نقلی دلائل سے استدلال کیا ہے ان کے دلائل اور جواب ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی دلیل: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان: ”وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرْنِي أُنظُرَ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ ثُبُثَ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ“۔ (الأعراف ۱۴۳)

”اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے پر آئے اور ان کے رب نے ان سے بات کی تو کہنے لگے کہ میرے رب مجھے اپنا دیدار کرادے، میں تجھے دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھو اگر یہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین دوز کر دیا اور موسیٰ بھی غش کھا کر گر پڑے ہوش میں آتے ہی کہنے لگے تیری ذات پاک ہے تیری جناب میں تو بہ کرتا ہوں اور تجھ پر ایمان لانے والوں میں سے سب سے پہلے ہوں۔“

معتزلہ کا وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت میں اللہ رب العالمین نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ”لن ترانی“ اور لن نفی مؤبد کے لئے ہوتا ہے اور نفی خبر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر سچی ہی ہوتی ہے نسخ واقع نہیں ہو سکتا ہے۔

معتزلہ کے اس استدلال کا جواب:

۱۔ ”لن“ کو نفی مؤبد کے لئے قرار دینا باطل ہے نفی مؤبد کا دعویٰ درست نہیں جیسا کہ ابن مالک کافی میں لکھتے ہیں:

ومن رأى النفسى بلن مؤبداً فقولاه اردو وسواه فاعضدا

ہے اگر رویت الہی ممکن نہ ہوتی تو وہ سوال ہی نہ کرتے۔
و۔ اللہ رب العالمین نے رویت کو حالت تجلی میں استقرار
جہل پر معلق کیا جو ممکنات میں سے ہیں اور ممکن پر معلق چیز بھی ممکن
ہوتی ہے۔

ھ۔ اللہ رب العالمین نے فعلی طور پر پہاڑ پر تجلی کیا اور پہاڑ
جہادات میں سے ہے تو ایسا کیونکر نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کی تجلی اس
کے نیکو کار اور محبوب بندوں کے لئے ہو۔

دوسری دلیل: ”لَا تُذِرُ كَذَّابًا وَهُوَ يُذِرُكَ الْأَبْصَارُ
وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ“۔ (الانعام: ۱۰۳)

” (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ
نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبر دار ہے۔“

اس دلیل کا جواب: اس آیت کے اندر ادراک کی نفی کی گئی
ہے نہ کہ رویت کی اور رویت ادراک کو ہرگز مستلزم نہیں کیونکہ ایک
آدمی سورج کو دیکھ سکتا ہے لیکن اس کا ادراک نہیں کر سکتا لہذا جب
اللہ رب العالمین کے لئے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس کی
رویت ہوگی اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اس رویت کے
ذریعہ ادراک بھی ہوگا کیونکہ ادراک مطلقاً رویت سے خاص
ہے۔

چنانچہ اس بنیاد پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ادراک کی نفی بھی اصل
رویت کے وجود پر دلالت کرتی ہے کیونکہ خاص کی نفی عام کے
وجود پر دال ہوتی ہے البتہ اگر عام کی نفی ہو تو خاص کی نفی لازم ہوگی
اور کہا جائے گا ”لا تراہ الا بصار“ کیونکہ اس کی نفی خاص کی نفی
کا تقاضہ کرے گی لیکن اس کے برعکس نہیں ہوگا اس طور پر آیت
میں معتزلہ کے خلاف دلیل ہے نہ کہ معتزلہ کے باطل دعوے کے
حق میں۔

رویت باری تعالیٰ کا انکار کرنے والے معتزلہ نے ایک عقلی
دلیل یہ بھی دی کہ اگر اللہ رب العالمین کا دیدار ہوگا تو اس کے لئے
یہ لازم آئے گا کہ اس کا جسم ہو اور جسم اللہ رب العالمین سے ممنوع

جو ”لن“ کا معنی نفی موبد قرار دیتا ہے اس کی بات چھوڑ دو اس
کے علاوہ کو لازم پکڑو۔ لہذا اس نفی (موبد) کے دعویٰ کے ساتھ
اصل رویت باری تعالیٰ کے عدم وقوع پر استدلال لغت پر جھوٹ
باندھنا ہے۔

اللہ رب العالمین نے کفار کے سلسلے میں فرمایا: ”وَلَنْ يَسْمَعُوهُ
أَبَدًا“۔ (البقرہ: ۹۵) اور یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے پھر اللہ
سبحانہ نے دوسری جگہ فرمایا: ”وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا
رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَا تُكْفُونَ“۔ (الزخرف: ۷۷) ”اور وہ پکار کر کہیں
گے کہ اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے وہ کہے گا کہ
تمہیں تو (ہمیشہ) رہنا ہے“۔ پہلی آیت میں اللہ رب العالمین نے
ان کے موت کی آرزو نہ کرنے کی خبر دی اور دوسری آیت میں ان
کے موت کے آرزو کرنے کی خبر دی ہے جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے۔
پس اس بنیاد پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ”لن ترانی“ کا مفہوم یہ ہے کہ
انسان کے کمزور ہونے کی وجہ سے دنیا میں میری رویت ممکن نہیں
ہے۔ اور اگر کلی طور پر اللہ کی ذات کی رویت محال ہوتی تو اللہ تعالیٰ
”لا اری“ مجھے دیکھا نہیں جاسکتا یا ”لا یجوز رؤیتی“ مجھے دیکھنا جائز
نہیں کہتا۔ جبکہ اس کے برعکس اللہ نے فرمایا ”لن ترانی“ تم مجھے
نہیں دیکھ سکتے۔ (شرح العقیدۃ الواسطیۃ للہراس: ۷۳)

موسیٰ علیہ السلام نے رویت باری آخرت میں طلب نہیں کی
تھی بلکہ برویت طلب کرتے ہوئے کہا تھا ”ارنی انظر
الیک“ مجھے اپنا دیدار کرادے تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں جس پر اللہ
رب العالمین نے کہا ”لن ترانی“ یعنی تم مجھے ابھی نہیں دیکھ سکتے
کیونکہ بشریت اس دنیا میں اللہ رب العالمین کی رویت کی محتمل
نہیں ہے البتہ آخرت میں ان کے احوال اس دنیا سے مختلف ہوں
گے تو اللہ رب العالمین کی رویت مومنین کو حاصل ہوگی۔

ج۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العالمین سے رویت الہی
کا سوال کیا اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں وہ ان معتزلہ سے کہیں
زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کوئی چیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حق میں محال

ہے کیونکہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے۔

ان کی اس دلیل کی تردید یوں کی جائے گی کہ روایت باری تعالیٰ سے جسم کا ہونا اس وقت لازم آئے گا جب باری تعالیٰ کے دیدار کی کیفیت متعین کی جائے۔ ہم بدیہی طور پر اس سے بے خبر ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنا دیدار کیسے کرائے گا؟ اس کو مخلوق کے مشابہ قرار نہیں دیا جائے گا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ“۔ (الشورى: ۱۱) ”اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔“

دنیا میں دیدار الہی ممکن نہیں:

امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی نے اللہ رب العالمین کو دنیا میں نہیں دیکھا اور لوگوں کا اختلاف صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ہے کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو معراج میں دیکھا یا نہیں؟ چنانچہ علماء کی ایک جماعت اس بات کی طرف گئی ہے کہ آپ نے اللہ رب العالمین کو دیکھا جبکہ دوسرے لوگ اس بات کا انکار کرتے ہیں راجح مسئلہ بھی اس سلسلے میں یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العالمین کو نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے وہ مسروق سے کہتی ہیں: ”مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ...“ (صحیح البخاری ۹۸۶۱۵) ”جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو یقیناً اس نے جھوٹ بولا۔۔۔“

صحیح مسلم کی روایت میں اس طرح ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ”مَنْ رَأَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ أَغْطَمَ عَلَى اللَّهِ الْفَرْيَةَ، قَالَ: وَكُنْتُ مَتَكِنًا فَجَلَسْتُ، فَقُلْتُ: يَا أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنْظِرْنِي، وَلَا تُعْجِلْنِي، أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: ”وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُسْبِينِ“ (التکویر: ۲۳)، ”وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى“ (النجم: ۱۳)؟ فَقُلْتُ: أَنَا أَوَّلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ سَأَلَ عَنْ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا هُوَ جَبْرِيْلٌ، لَمْ أَرَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خَلَقَ عَلَيْهَا غَيْرَ

هَاتَيْنِ الْمَوْتَيْنِ“۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۶۱)

جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا (مسروق) کہتے ہیں میں ٹیک لگائے ہوئے تھا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا ام المؤمنین مجھے مہلت دیجئے اور میرے مسئلہ میں جلد بازی سے کام نہ لیجئے کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ نہیں کہا ہے ”تحقیق کہ اس نے اس کو آسمان کے کھلے کناروں پر دیکھا ہے“۔ (التکویر: ۲۳) ”اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا“۔ (النجم: ۱۳) حضرت عائشہ کہتی ہیں اس امت میں سب سے پہلے میں نے اس کی بابت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد جبریل ہیں میں نے ان کو ان کی اصل ہیئت میں اس دوبار کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ؟ قَالَ: «نُورٌ أَنَّى أَرَاهُ؟» (صحیح مسلم: ۱۶۱۶۱)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تو آپ نے فرمایا وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

اور ایک دوسری روایت میں ہے ”رأيت نورا“۔ ”میں نے نور دیکھا“ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نوری حجاب تھا جو باری تعالیٰ کے دیدار سے روک رہا تھا یہ واضح دلائل ہیں جن کی بنیاد پر راجح قول یہی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

البتہ اس مسئلے میں اختلاف موجود ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی آنکھ سے اللہ کو دیکھا ہے۔ عطاء کہتے ہیں کہ دل سے لکھا ہے یہ روایت موقوف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی قطعی نص موجود نہیں ہے جسمیں اس بات کی دلیل ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا بلکہ نہ دیکھنے کے دلائل قوی ہیں واضح ہیں صریح ہیں لہذا یہی امر متعین ہے واللہ اعلم۔

قرآنی آیات کے جواب کا حکم

قسط (۶)

کفایت اللہ سنبلی

جیسا کہ اس روایت میں ہے، جبکہ ابواسحاق کے دیگر تین شاگردوں ابوالکعب، معمر اور سفیان (مصنف ابن ابی شیبہ، سلفیہ: (۵۰۹/۲) و اسنادہ ضعیف، ابواسحاق عنہ، و آخرجہ عبدالرزاق فی مصنفہ (۲/۳۵۱) عن معمر عن ابی اسحاق، و هو فی تفسیرہ (۳/۱۸۳) لکن جاء فیہ زیادۃ ”قنادہ“ بین معمر و ابی اسحاق و لیس هذا فی مصنفہ فهو خطأ، و من طریق عبدالرزاق أخرجه المستغفری فی فضائل القرآن (۱/۱۴۳)، و آخرجہ أبو عیبد عن فضائل القرآن (ص: ۱۵۴) من طریق سفیان۔ کلہم (أبو الکعب و معمر و سفیان) عن ابی اسحاق، عن سعید بن جبیر بہ بدون ذکر ”مسلم البطین“ فی إسنادهم و موقوفا من فعل ابن عباس، و أبو اسحاق قد تابعہ أبو ب عند المستغفری فی فضائل القرآن: (۱/۴۷۱)، لکن الإسناد إلیہ ضعیف، شیخ المستغفری لم أجد له ترجمة ولا توثيقاً۔ و سعید بن جبیر قد تابعہ زیاد بن عبد اللہ بن حدیر الأسدی عند الطبری طہجر: (۳۱۰/۲۴) لکن إسناده واهجدا۔) نے ابواسحاق سے اسے موقوفاً نقل کیا ہے اور سند میں ”مسلم البطین“ کا ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

”حدثنا وكيع، عن أبيه، عن أبي إسحاق، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس: أنه قرأ: ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/الأعلى: ۱)، فقال: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (حوالہ سابق) ”ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/الأعلى: ۱) (اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر) پڑھا تو کہا: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے)۔“

ظاہر ہے کہ موقوف والی روایت ہی محفوظ ہے کیونکہ اسے تین

سورۃ الاعلیٰ (۸۷) کی پہلی آیت ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ کے جواب سے متعلق روایات:

پہلی روایت:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا: ”حدثنا وكيع، حدثنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن مسلم البطین، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس: أن النبي ﷺ كان إذا قرأ: ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/الأعلى: ۱)، قال: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (مسند أحمد: ۱/۲۳۲، الميمنية) و إسناده ضعیف، ابواسحاق عنہ، و من طریق أحمد أخرجه الطبرانی فی الكبير (۱۶/۱۲) بہ۔ و آخرجہ أيضا أبو داؤد فی سننہ (۲۳۳/۱) رقم (۸۸۳) و من طریقہ البيهقي فی سننہ (۲۴۰/۲) و الحاكم فی المستدرک (۳۹۵/۱) من طریق ابی یعلی، كلاهما (أبو داؤد و أبو یعلی) من طریق زهير بن حرب۔ و آخرجہ البغوی فی تفسیرہ (۲۴۱/۵) من طریق عبد اللہ بن عمر بن أبان، جميعهم (أحمد و زهير بن حرب و عبد اللہ بن عمر بن أبان) عن وكيع عن إسرائيل بہ۔ و خولف إسرائيل فی إسناده و فی رفعہ فرواه أبو الکعب و معمر و سفیان عن ابی اسحاق، عن سعید بن جبیر بہ بدون ذکر ”مسلم البطین“ فی إسنادهم و موقوفا من فعل ابن عباس، و هو المحفوظ وسيأتي۔

”عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/الأعلى: ۱) (اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر) پڑھتے تو ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے) کہتے۔“

اولاً: اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے ابواسحاق کے ایک شاگرد اسرائیل نے اسے مرفوع بیان کیا ہے

کراچی (التوفی: ۵۷۰) اور امام ابن الملقن (التوفی: ۸۰۴) رحمہ اللہ نے بھی انہیں مدلس کہا ہے۔ (مسألة التسمية لابن القيسراني ص: ۴۷، وإسناده صحيح، تهذيب الآثار مسند علي، للطبري ۳/۲۳۷)، الإلزامات والتبعية للدارقطني: ص: (۳۶۳)، الثقات لابن حبان: (۱۷۷/۵)، تهذيب التهذيب لابن حجر (۲۶۲/۲۳)، البدر المنير لابن الملقن: (۲۳۲/۳)

الغرض ابواسحاق تیسرے طبقہ کا مدلس راوی ہے اور اس نے مذکورہ روایت کو عن سے بیان کیا ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کا جائزہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ حدیث کی سند میں اس کمزوری کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

”وهذا إسناده رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين، غير أن أبا إسحاق-- وهو عمرو بن عبد الله السبيعي-- كان اختلط، ثم هو مدلس، وقد عنعنه“۔ (صحيح أبي داود (الأم) ص: ۳۸۴)

”اس سند کے رجال ثقہ ہیں اور شیخین کے رجال ہیں لیکن ابواسحاق عمرو بن عبد اللہ السبیعی مختلط ہو گئے تھے نیز یہ مدلس ہیں اور عن سے روایت کیا ہے۔“

اس سند کو ضعیف تسلیم کرنے کے بعد علامہ البانی رحمہ اللہ نے شواہد کی روشنی میں اسے صحیح کہا ہے لیکن یہ شواہد اس روایت کی تصحیح کے لئے معتبر نہیں ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

پہلا شواہد:

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أحدهما: عن قتادة... مراسلاً: أن نبى الله ﷺ كان إذا قرأها قال: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“: أخرجه عبد بن حميد كما في ”الدر المنثور“: ۳۲۶/۶۔ (صحيح أبي داود (الأم) ص: ۳۹/۴)

”پہلا شواہد قتادہ کی مرسل روایت ہے کہ نبی ﷺ جب ﴿سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/۱) اپنے بہت ہی بلند

شاگردوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے جبکہ مرفوع روایت صرف ایک شاگرد بیان کر رہا ہے۔

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (التوفی: ۲۷۵) نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد اس کے موقوف ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

”ورواه أبو وكيع، وشعبة، عن أبي إسحاق، عن سعيد بن جبيرة، عن ابن عباس موقوفا“۔ (سنن أبي داود: ۲۳۳/۱)

”اور اسے أبو وکیع، اور شعبہ نے ابواسحاق عن سعید بن جبیر عن ابن عباس کی سند سے موقوفاً روایت کیا ہے۔“

مسند احمد کے محققین نے بھی اسے موقوف ہی قرار دیا ہے۔ (مسند أحمد ط الرسالة: ۳/۳۹۵)

معلوم ہوا یہ روایت اصلاً موقوف ہی ہے۔

ثانیاً: یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح ضعیف ہے کیونکہ ہر دو طرح کی سندوں میں ابواسحاق السبیعی کا عنعنہ ہے اور یہ تیسرے طبقہ کے مدلس ہیں۔

امام مغیرہ بن مقسم الضبی رحمہ اللہ (التوفی: ۱۳۶) نے انہیں خطرناک مدلس کہا ہے۔ (العلل ومعرفة الرجال لأحمد ۱/۲۳۲) وإسناده صحيح، تهذيب التهذيب لابن حجر: ۶۷/۲۳

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (التوفی: ۸۵۲) نے انہیں مدلسین کے تیسرے طبقہ میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

”عمرو بن عبد الله السبيعي الكوفي مشهور بالتدليس“ (طبقات المدلسين لابن حجر التقيوتى: ص: ۴۲) ”ابواسحاق عمرو بن عبد اللہ السبیعی الکوفی تدلیس سے مشہور ہیں“

امام سیوطی رحمہ اللہ (التوفی: ۹۱۱) نے کہا:

”مشهور بالتدليس“ (أسماء المدلسين للسيوطي: ص: ۷۷)

”یہ تدلیس سے مشہور ہیں۔“

امام شعبہ (التوفی: ۱۶۰)، امام طبری (التوفی: ۳۱۰)، امام دارقطنی (التوفی: ۳۸۵)، امام ابن حبان (التوفی: ۳۵۴) امام

”یَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ كُلُّ مِنَ الْوَاسِطَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرُ ضَعِيفًا، وَعَلِيهِ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ ضَعْفُهُمْ مِنَ النُّوعِ الْأَوَّلِ الَّذِي يَنْجِبُ بِمِثْلِهِ الْحَدِيثُ عَلَى مَا سَبَقَ نَقْلُهُ عَنْ ابْنِ الصَّلَاحِ، وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مِنَ النُّوعِ الْآخِرِ الَّذِي لَا يَقْوَى الْحَدِيثُ بِكَثْرَةِ طَرَفِهِ، وَمَعَ وَرُودِ هَذِهِ الْإِحْتِمَالَاتِ يَسْقُطُ الْإِسْتِدْلَالُ بِالْحَدِيثِ الْمُرْسَلِ وَإِنْ تَعَدَّدَتْ طَرَفُهُ“۔ (نصب المجانيق: ص: ۴۴-۴۶)

”مرسل حدیث کے بارے میں احتمال ہے کہ دو یا دو سے زائد ساقط رواۃ ضعیف ہوں اور ان کے ضعیف ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کا ضعف پہلی قسم کا ہو جو اسی جیسے دوسرے طریق سے مل کر قابل انجبار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن الصلاح کے حوالے سے نقل کیا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا ضعف اس دوسری قسم کا ہو جو تعدد طرق کے باب میں تقویت دینے کے قابل نہیں رہتا ان احتمالات کے پیش نظر مرسل حدیث سے استدلال ساقط ہے گرچہ اس کے طرق متعدد ہوں۔“

لہذا علامہ البانی رحمہ اللہ کے اس اصول کے مطابق مرسل روایت شہادت کے قابل نہیں بن سکتی، اور یہ اس صورت میں جب مرسل روایت کی بقیہ سند صحیح ہو لیکن یہاں حال یہ ہے کہ بقیہ سند بھی ثابت نہیں ہے۔

دوسرا شاہد:

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالْآخِرُ: عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ...“ ”دوسرا شاہد علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے.....“ (صحیح ابی داؤد (الأم): ص: ۴۰/۴۱)

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس شاہد کو امام سیوطی کی کتاب سے نقل کیا ہے جس میں امام سیوطی نے اس کی سند ذکر نہیں کی ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ کی رسائی اس کی سند تک نہیں ہو سکی اگر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند دیکھ لی ہوتی تو ہرگز اسے بطور شاہد پیش نہ کرتے۔ کیونکہ یہ سند سخت ضعیف ہے آگے اس پر مفصل بحث

اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر) پڑھتے تو کہتے: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے)، اسے عبد بن حمید نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ الدر المنثور (۳۲۶/۶) میں ہے۔ یہ مرسل روایت بھی ثابت نہیں ہے عبد بن حمید کی کتاب کے مطبوعہ حصہ میں اس کی سند نہیں ہے نہ ہی ان کے طریق سے مروی کسی اور کتاب میں یہ سند دستیاب ہے۔

البتہ امام طبری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے قتادہ سے اسے یوں نقل کیا ہے: ”حدثنا بشر، قال: ثنا يزيد، قال: ثنا سعيد، عن قتادة، «سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى» (۸۷/الأعلى: ۱) ذكر لنا أن نبي الله ﷺ كان إذا قرأها قال: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (تفسير الطبري، طهجر: ۳۱۰/۲۳) وإسناده ضعيف، سعيد عن قتادة (أرسل)۔

”قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ نبی ﷺ جب ﴿سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/الأعلى: ۱) اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر) پڑھتے تو کہتے: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے)۔

لیکن یہ سند بھی ضعیف ہے قتادہ سے روایت کرنے والے ”سعيد بن أبي عروبة العدوي“ نے ”عن“ سے روایت کیا ہے جن کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفى: ۸۵۲) نے کہا: ”كثير التدليس“ یہ بکثرت تدلیس کرنے والے ہیں۔ (تقریب التہذیب لابن حجر: رقم: ۲۳۶۵)

نیز یہ روایت قتادہ سے ثابت بھی ہوتی تو مرسل ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ قتادہ نے اس روایت کو اپنے استاذ ابو اسحاق السبئی کے شاگرد اسرائیل ہی سے سنا ہو اور سند کے نازل ہونے کے سبب ارسال کر دیا۔ ایسی صورت میں یہ ابو اسحاق السبئی والی ہی سند ہوگی نہ کہ کوئی دوسری سند۔

نیز علامہ البانی رحمہ اللہ خود مرسل حدیث کے بارے میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

آ رہی ہے۔

نومولود بچے کے کان میں اذان دینے والی روایت سے متعلق بھی علامہ البانی رحمہ اللہ سے اسی طرح کا سہو ہوا تھا انہوں نے ایک بے سند شاہد کے سہارے اسے حسن کہہ دیا لیکن جب اس شاہد کی سند تک ان کی رسائی ہوئی تو یہ کہتے ہوئے رجوع کیا کہ اس کی سند تو موضوع اور من گھڑت ہے۔ (سلسلة الأحادیث الضعيفة: ۱/۳۹۴)

تیسرا شاہد:

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ولہ شاهد ثالث موقوف من طریق عمیر بن سعید قال: سمعت أبا موسیٰ یقرأ فی الجمعة بـ ﴿سُبْحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی﴾ ۱/۸۷ (الأعلیٰ: ۱)؛ فقال: ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی“ أخرجه البیهقی بسند صحیح“ (صحیح أبی داؤد (الأم) ص: ۴۰/۴۲)

”اس کا ایک تیسرا شاہد بھی ہے جو عمر بن سعید کے طریق سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو سنا کہ آپ نے جمعہ میں ﴿سُبْحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی﴾ (۱/۸۷) (الأعلیٰ: ۱) (اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر پڑھا پھر کہا: ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے) اسے بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔“

عرض ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بے شک یہ بات ثابت ہے۔ (دیکھئے: اہل السنہ: شمارہ: ۷۲، نومبر ۲۰۱۷ء، ص: ۱۵) اسی طرح علی رضی اللہ عنہ سے بھی موقوفاً ثابت ہے۔ (دیکھئے: اہل السنہ:

شمارہ: ۷۱، اکتوبر، ۲۰۱۷ء، ص: ۲۳) جیسا کہ اسے بھی علامہ البانی رحمہ اللہ نے دوسرے شاہد کے تحت ضعیف مرفوع روایت کے بعد ذکر کیا ہے۔ (صحیح أبی داؤد (الأم) ص: ۴۰/۴۲) لیکن موقوف روایت

مرفوع روایت کے لئے شاہد نہیں بنتی خود علامہ البانی رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”فقد عاد الحديث إلى أنه موقوف مع ضعف إسناده فلا

یصلح شاهد للمرفوع الذي قبله“ (تمام المنہ: ص: ۱۱۷)

”یہ حدیث سند میں ضعف کے ساتھ موقوف ہے اس لئے اس سے قبل والی مرفوع حدیث کے لئے یہ شاہد نہیں بن سکتی۔“ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”ولا یخفی أن أثر ابن عمر هذا لو صح لا یشہد... لحديث الترجمة، وذلك لأمرین: أن الحديث مرفوع، والأثر موقوف“۔ (سلسلة الأحادیث الضعيفة: ۱/۲۳۱)

”یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی باب کی حدیث کے لئے دو جوہات کی بنا پر شاہد نہیں بن سکتا ان میں سے ایک یہ کہ باب کی حدیث مرفوع ہے اور یہ اثر موقوف ہے۔“

ممکن ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے زیر بحث مسئلہ میں مرفوع کی تائید میں پیش کردہ موقوف اثر کے بارے میں یہ گمان کیا ہو کہ یہ حکماً مرفوع ہے کیونکہ یہ عمل قیاس کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ نفل نماز میں آپ ﷺ کے عمل پر قیاس کا بھی امکان ہے۔

خلاصہ یہ کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے جن شواہد کے پیش نظر اس ضعیف روایت کو صحیح قرار دیا ہے ان میں سے پہلا مرسل ضعیف ہے اور بعید نہیں کہ اس کی اصل سند مشہور روایت والی سند ہی ہو، دوسرا سخت ضعیف و مردود ہے تیسرا موقوف ہے جسے مرفوع کی تقویت میں پیش ہی نہیں کیا جا سکتا، لہذا یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

❁ دوسری روایت:

امام أبوبکر ابن النباری رحمہ اللہ (التوفی: ۳۲۸) نے کہا:

”حدثنی محمد بن شہریار، قال: حدثنا حسین بن الأسود، قال: حدثنا عبد الرحمن بن أبی حماد قال: حدثنا عیسیٰ ابن عمر، عن أبیہ، قال: قرأ علی بن أبی طالب فی الصلاة ﴿سُبْحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی﴾ (۱/۸۷) (الأعلیٰ: ۱)، ثم قال: ”سُبْحَانَ رَبِّیَ الْأَعْلٰی“، فلما انقضت الصلاة قیل له: یا

مگر اس کی توثیق کہیں نہیں ملتی۔

سوم:

”حسین بن الأسود، یہ ”الحسین بن علی بن ابی بن ابی، ابوعبد اللہ الکوفی“ ہے۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ (التوفی ۲۵۵) نے کہا:

”لا ألفت إلى حكاياته أراها أوهاما“۔ ”میں اس کی روایات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا یہ سب اوہام کا مجموعہ ہیں“۔ (سؤالات أبی عییدہ الآجری آباد اودم ت الأهری: ۷۳)

امام ابن عدی رحمہ اللہ (التوفی: ۳۶۵) نے کہا:

”يسرق الحديث... وللحسين بن علي بن الأسود أحاديث غير هذا مما سرقه من الثقات، وأحاديثه لا يتابع عليها“۔ (الكامل لابن عدی طبعة الرشد: ۳۶۱/۳)

”یہ حدیث چراتا ہے..... اور اس کی اس کے علاوہ بھی کئی احادیث ہیں جنہیں اس نے ثقہ رواۃ کے یہاں سے چرایا ہے، اس کی احادیث کی متابعت نہیں کی جاتی“۔

امام ابن المواق الماکی رحمہ اللہ (التوفی: ۸۹۷) نے کہا:

”رمی بالكذب وسرقه الحديث“ (التراجم الساقطة من کتاب إكمال: ص: ۱۵۳ انقلا عن بغية النقاد لابن المواق)

”یہ جھوٹ بولنے اور حدیث چوری کرنے سے متہم ہے“۔

تحریر تقریب کے مؤلفین (دکتور بشار عواد اور شعیب الریوط) نے کہا: ”ضعیف“، ”یہ ضعیف ہے“۔ (تحریر تقریب: رقم ۱۳۳۱)

سوم:

امام ابوبکر الباری رحمہ اللہ کا استاذ ”محمد بن شہر یار“ نامعلوم ہے۔ اس کی توثیق کہیں نہیں ملتی امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے تاریخ دمشق میں ان کا تذکرہ کیا ہے مگر ان کی توثیق کے بارے میں کوئی معلومات نہیں دی، ملاحظہ ہو۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۲۵۶/۵۳)

معلوم ہوا کہ اس کی سند علتوں سے پر ہے لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

أمیر المؤمنین، أنزید هذا فی القرآن؟ قال: ما هو؟ قالوا: ”

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“، قال: لا، إنما أمرنا بشيء فقلته“ (المصاحف لابن الأنباری کما فی تفسیر القرطبی، ت أحمد: ۱۲/۲۰ والدردر المنثور للسيوطی: ۸/۸۲، وإسناده ضعيف جدا، فيه ”حسين بن الأسود“ رمی بالكذب وسرقه الحديث، وفيه علل أخرى۔

علی رضی اللہ عنہ نے نماز میں ﴿سُبْحَانَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ (۸۷/۱) (اپنے بہت ہی بلند اللہ کے نام کی پاکیزگی بیان کر) پڑھا پھر کہا: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے)، جب نماز ختم ہوگئی تو ان سے کہا گیا: اے امیر المؤمنین! کیا آپ قرآن میں اضافہ فرمائیں گے؟ علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: آپ نے ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ (میرا بلند اللہ بہت ہی پاک ہے) کا اضافہ کیا ہے! اس پر علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! ہمیں ایک چیز کا حکم دیا گیا تھا میں نے اسی پر عمل کیا ہے۔

یہ وہی روایت ہے جسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے دوسرے شاہد کے طور پر ذکر کیا۔ (سلسلة الأحاديث الضعيفة: ۱۱/۲۳۴) لیکن

اس کی سند ان کے سامنے نہ تھی ورنہ وہ ہرگز اس روایت کو بطور شاہد ذکر نہ کرتے کیونکہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

اول:

علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا ”عیسیٰ ابن عمر“ کا باپ غیر متعین ہے، یہ بھی نہیں معلوم کی علی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ہے یا نہیں علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی فہرست میں ”عیسیٰ بن عمر“ کے والد کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

دوم:

”عبد الرحمن بن ابی حماد الکوفی المقرئ“ یہ بھی نامعلوم ہے۔ (تاریخ الاسلام بشار (۱۰۷/۵)، وتاريخ الطبري (۳۳۴/۱)، والجرح والتعديل (۲۴۴/۵) رقم: ۱۱۶۲، وغاية النهاية لابن الجوزي (۳۶۹/۱، ۳۷۰) رقم (۱۵۷۲) میں اس کا تذکرہ ملتا ہے

سجدہ تلاوت کی دعاؤں کی تحقیق

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

(پہلی قسط)

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده
، اما بعد:
محترم قارئین! کتب احادیث میں سجدہ تلاوت کی دو (۲)
دعا میں مروی ہیں:

(پہلی دعا) ”اللَّهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا
وَضَعْ عَنِّي بِهَا وَزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا
مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ“۔

(دوسری دعا) ”سَجِدْ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَنِي وَسَقَى
سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ“۔
اس تحریر میں پہلی دعا کی مفصل تحقیق پیش کی جا رہی ہے۔۔۔
ملاحظہ فرمائیں:

✽ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ (المتوفی:
۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ خُنَيْسٍ، قَالَ:
حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ، قَالَ: قَالَ
لِي ابْنُ جُرَيْجٍ: ”يَا حَسَنُ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ، عَنْ
ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،
فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّي أَصْلَى
خَلْفَ شَجَرَةٍ، (فَقَرَأْتُ السَّجْدَةَ) فَسَجَدْتُ، فَسَجَدْتُ
السَّجْدَةَ لِسُجُودِي، فَسَمِعْتُهَا وَهِيَ تَقُولُ: اللَّهُمَّ اكْتُبْ لِي
بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا، وَضَعْ عَنِّي بِهَا وَزْرًا، وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ
ذُخْرًا، وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ“۔

قَالَ الْحَسَنُ: قَالَ لِي ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ لِي جَدُّكَ: قَالَ ابْنُ
عَبَّاسٍ: فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً، ثُمَّ سَجَدَ،
فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ
قَوْلِ الشَّجَرَةِ“۔

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ
هَذَا الرَّجُلِ.

(ترجمہ) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں
کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آکر عرض کیا: اے اللہ
کے رسول! میں نے آج رات اپنے آپ کو دیکھا جبکہ میں سو رہا تھا
(یعنی خواب میں دیکھا) کہ میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا
ہوں، پس میں نے آیت سجدہ تلاوت کی تو میں نے سجدہ کیا تو
میرے سجدہ کرنے کی وجہ سے اس درخت نے بھی سجدہ کیا، پھر میں
نے اسے سنا، وہ کہہ رہا تھا: ”اے اللہ! اس کے بدلے تو میرے
لئے اجر لکھ دے، اور اس کے بدلے (میرے گناہوں) کا بوجھ مجھ
سے ہٹا دے، اور اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ بنا لے، اور
اسے مجھ سے تو اسی طرح قبول فرما جیسے تو نے اپنے بندے داؤد
-علیہ السلام- سے قبول کیا تھا“۔

حسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھ سے
ابن جریج رحمہ اللہ نے کہا کہ مجھ سے تمہارے دادا نے کہا کہ ابن
عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے آیت سجدہ کی
تلاوت کی اور سجدہ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: تو میں نے
آپ کو ویسا ہی کہتے سنا جیسا اس شخص نے اس درخت کے الفاظ

بیان کئے تھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک غریب حدیث ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

(تخریج) سنن الترمذی بتحقیق بشار عواد: ۲۰/۱، ج: ۵۷۹ و ۳۲۲، واللفظ له و سنن ابن ماجہ بتحقیق الارنؤط ورفقائه: ۱۶۵/۲، ج: ۱۰۵۳، و الزیادة له و صحیح ابن خزيمة بتحقیق الاعظمی: ۱/۲۸۲، ج: ۵۶۲، والمعجم الكبير للطبرانی بتحقیق حمدی السلفی: ۱۱/۱۲۹، ج: ۱۱۲۶، والمستدرک علی الصحیحین للحاکم بتحقیق مصطفیٰ عبد القادر: ۳۱/۱، ج: ۷۹۹، و الدعوات الكبير للبيهقي بتحقیق بدر بن عبد الله: ۱۲/۲، ج: ۳۴۱، و صحیح ابن حبان بتحقیق الارنؤط: ۳/۶، ج: ۲۷۸، و السنن الكبرى للبيهقي بتحقیق محمد عبد القادر: ۲/۲۵۳، ج: ۳۷۱، و شعار أصحاب الحديث لأبي أحمد الحاكم بتحقیق صبحي السامرائي، ص: ۲۳، ج: ۸۳، والضعفاء الكبير بتحقیق عبد المعطي: ۱/۲۴۲، ت: ۲۸۹، و الأوسط في السنن والإجماع و الاختلاف لابن المنذر بتحقیق صغير أحمد: ۵/۲۷۲، ج: ۲۸۶، و دلائل النبوة للبيهقي بتحقیق عبد المعطي قلعجي: ۷/۲۰، و الإرشاد في معرفة علماء الحديث للخليلي بتحقیق محمد سعيد: ۱/۳۵۳، ج: ۸۰، و الأحاديث المختارة للمقدسي بتحقیق عبد الملك: ۱۱/۷۰، ج: ۱۵۶-۱۵۷، و غیر ہم۔

(حکم حدیث) ”هذا حديث غريب و اسناده صحيح بلاريب“۔ ”یہ غریب حدیث ہے اور اس کی سند بلاشبہ صحیح ہے۔“

(مختصر تحقیق سند) روایت ہذا کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۱) امام ابو جعفر قتیبة بن سعید الثقفی رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں اور اعلیٰ پائے کے ثقہ ہیں۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

امام بیہقی بن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ): ”ثقة“۔ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم بتحقیق المعلمی: ۷/۱۳۰، ت: ۷۸)

و اسنادہ صحیح)

امام ابو حاتم محمد بن ادريس الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ): ”ثقة“۔ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم بتحقیق المعلمی: ۷/۱۳۰، ت: ۷۸)

امام ابو عبد الله محمد بن عبد الله رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۸۸ھ): ”شيخ الإسلام، المحدث، الإمام، الثقة“۔ (سير أعلام النبلاء بتحقیق مجموعة من المحققين: ۱۱/۱۳، ت: ۸)

مزید اقوال کے لئے دیکھیں: تہذیب الکمال فی أسماء الرجال للمزی بتحقیق بشار عواد: ۲۳/۵۲۳، ت: ۸۵۲ وغیرہ۔

(۲) ابو عبد الله محمد بن يزيد بن خنيس القرشي المكي رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

امام ابو الحسن احمد بن عبد الله الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ): ”ثقة“۔ (معرفة الثقات بتحقیق عبد العليم البستوي: ۲/۲۵۶، ت: ۱۶۶۱)

امام ابو حاتم محمد بن ادريس الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ): ”كان شيخا صالحا، كتبنا عنه بمكة، و كان ممتنعاً من الحديث، فأدخلني عليه ابنه۔ ثقة“۔ ”آپ نیک شیخ تھے۔ ہم نے ان سے مکہ میں لکھا ہے۔ احادیث بیان کرنے سے (احتیاطاً) بچتے تھے، مجھے ان کے پاس ان کا بیٹا لے کر آیا تھا۔۔۔ آپ ثقہ ہیں“۔ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم بتحقیق المعلمی: ۷/۱۳۰، ت: ۷۸)

اور زیر بحث روایت کو امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے بھی ان سے مکہ میں سنا ہے۔ دیکھیں: (الأوسط في السنن والإجماع و الاختلاف لابن المنذر بتحقیق صغير أحمد: ۵/۲۷۲، ج: ۲۸۶، و اسنادہ صحیح)

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستي، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۳ھ): ”وكان من خيار الناس، زبياً أخطأ، يجب أن يغتبر حديثه إذا بين السماع في خبره ولم يرو عنه

تخصیص کرے تو اس روایت کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔
اور یہ بات بھی واضح رہے کہ ائمہ جرح و تعدیل کے کسی بھی امام
نے ان پر کسی بھی قسم کی کوئی جرح نہیں کی ہے اور نہ ہی انہیں مجہول
کہا ہے۔

(۴) امام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج القرشی المکی رحمہ
اللہ:

آپ رحمہ اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں اور اعلیٰ
درجے کے ثقہ اور امام ہیں لیکن ساتھ ساتھ آپ کثیر التردیس اور قبیح
التدلیس ہیں۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:
﴿امام ابوالحسن علی بن عمر البغدادی الدارقطنی رحمہ اللہ﴾ (التوفی:
۳۸۵ھ): ”ثقة حافظ وربما حدث عن الضعفاء ودلس
أسماءهم مثل أبي بكر بن أبي سنبرة وإبراهيم بن أبي يحيى
وغیرهما“۔ ”آپ ثقہ، حافظ ہیں۔ بسا اوقات ضعفاء سے
حدیث بیان کرتے ہیں اور ان کے ناموں میں تدلیس کرتے ہیں،
مثلاً: ابوبکر بن ابی سبرہ، ابراہیم بن ابی یحییٰ وغیرہما۔“ (المؤلف
والمختلف بتحقیق موفق بن عبد اللہ: ۵۳۲/۱)

امام حاکم رحمہ اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ سے ابن جریج رحمہ
اللہ کی تدلیس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”يَتَجَنَّبُ
تَدْلِيْسَهُ فَإِنَّهُ وَحْشُ التَّدْلِيْسِ لَا يَدْلُسُ إِلَّا فِيمَا سَمِعَهُ مِنْ
مَجْزُوحٍ مِثْلُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي يَحْيَى وَمُوسَى بْنِ عُثَيْدَةَ وَ
غَيْرِهِمَا“۔ ”ان کی تدلیس سے بچا جائے گا کیونکہ آپ وحش
التدلیس ہیں۔ آپ ان مرویات میں تدلیس کرتے تھے جن کو
انہوں نے مجروح راویوں سے سنا ہوتا تھا۔ مثلاً: ابراہیم بن ابی یحییٰ
اور موسیٰ بن عبیدہ وغیرہ۔“ (سؤالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی
بتحقیق موفق بن عبد اللہ، ص: ۱۷۴، ت: ۲۶۵)

﴿امام ابوسعید صلاح الدین خلیل بن کیکلہ الدیلمی رحمہ
اللہ﴾ (التوفی: ۶۱۱ھ): ”الإمام المشهور بكثير من التدليس“

إِلَّا ثَقَّةً“۔ ”آپ اچھے لوگوں میں سے تھے، بسا اوقات غلطی کر
جاتے تھے۔ ان کی ان احادیث کو قبول کرنا واجب ہے۔ جن میں
انہوں نے سماع کی صراحت کی ہو اور ان سے ثقہ نے روایت کیا
ہو۔“ (الفتا: ۶۱/۹، ت: ۱۵۱۸۵)

زیر بحث روایت میں موصوف نے سماع کی صراحت کی ہے۔
والحمد للہ.

(۳) حسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید المکی رحمہ اللہ:
آپ رحمہ اللہ بھی سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں
اور ثقہ، صحیح الحدیث ہیں۔

﴿امام ابویعلیٰ خلیل بن عبد اللہ الخلیلی القزوينی رحمہ اللہ﴾
(التوفی: ۴۴۶ھ): ”وَهُوَ ثَقَّةٌ“۔ ”آپ ثقہ ہیں۔“ (الإرشاد
للخلیلی بتحقیق محمد سعید: ۳۵۳/۱، ج: ۸۰) نیز زیر بحث
روایت کو حوالہ مذکور میں صحیح غریب بھی کہا ہے۔

اس پر مزید یہ کہ درج ذیل ائمہ نے ان کی اسی منفرد روایت کو
”صحیح“ یا ”حسن“ قرار دیا ہے:

﴿امام ابوبکر محمد بن اسحاق السلی، المعروف بابن خزیمہ رحمہ
اللہ﴾ (التوفی: ۳۱۱ھ)۔ (صحیح ابن خزیمہ)

﴿امام ابوجاقر محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ
اللہ﴾ (التوفی: ۳۵۴ھ)۔ (صحیح ابن حبان)

﴿امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم رحمہ اللہ﴾ (التوفی:
۴۰۵ھ)۔ (مستدرک)

﴿امام ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ﴾ (التوفی: ۶۴۳ھ)۔
(الاحادیث المختارة)

﴿امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی﴾ (التوفی: ۶۷۶ھ):
”رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ“۔ (المجموع: ۶۴/۴)

﴿امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ﴾ (التوفی: ۷۴۸ھ)
(مستدرک حاکم بتحقیق مصطفیٰ)

اور یہ بات معروف ہے کہ جب کوئی ناقد کسی روایت کی تصحیح یا

رہی بات حدیث کے غریب ہونے کی تو وہ اس طرح سے ہے کہ حسن بن محمد الکی زیر بحث روایت کو امام ابن جریج رحمہ اللہ سے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

امام ابو یعلیٰ خلیل بن عبد اللہ الخلیلی القزوی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۶ھ) فرماتے ہیں:

”وَيَنْفَرُ بِهِ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، وَهُوَ ثِقَّةٌ“۔ ”حسن بن محمد الکی اس روایت کو امام ابن جریج رحمہ اللہ سے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ اور وہ ثقہ ہیں۔“ (الارشاد فی معرفة علماء الحديث)

✽ زیر بحث روایت کو صحیح یا حسن قرار دینے والے علماء:

✽ امام ابو بکر محمد بن اسحاق السلی، المعروف بابن خزيمة رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱ھ): ”صحیح“۔

✽ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ): ”صحیح“۔

✽ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۵ھ): ”هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ زَوَاتُهُ مَكِينُونَ لَمْ يَدْخُرْ وَاحِدٌ مِنْهُمْ بِجَرَحٍ وَهُوَ مِنْ شَرْطِ الصَّحِيحِ وَلَمْ يَخْرُجْ جَاهٌ“۔ ”یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے رواۃ کی ہیں اور ان میں سے کسی پر بھی جرح نہیں کی گئی ہے۔ اور یہ صحیحین کی شرط ہے لیکن شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔“

✽ امام ابو یعلیٰ خلیل بن عبد اللہ الخلیلی القزوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۶ھ): ”هَذَا غَرِيبٌ صَحِيحٌ“۔

✽ امام ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۳ھ): ”صحیح“۔

✽ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (المتوفی: ۶۷۶ھ): ”رَوَاهُ الْبُزْجَانِيُّ وَغَيْرُهُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ“۔ (المجموع: ۶۴/۳)

✽ امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ): ”صحیح ما فی رواۃ مجروح“۔ ”حدیث صحیح ہے۔ اس

۔ ”آپ مشہور امام ہیں اور کثرت سے تدلیس کرتے تھے“۔ (جامع التحصیل فی احکام المراسیل بتحقیق حمدی السلفی، ص: ۱۰۸، ت: ۳۳)

✽ امام ابو عبد اللہ محمد الذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ): ”الْإِمَامُ، الْعَلَامَةُ، الْحَافِظُ، شَيْخُ الْحَرَمِ“۔ ”آپ امام، علامہ، حافظ اور شیخ الحرم ہیں۔“ (سیر أعلام النبلاء بتحقیق مجموعة من المحققين: ۳۲۵/۲، ت: ۱۳۸)

✽ امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ): ”مشہور بالعلم والثبت كثير الحديث وصفه النسائي وغيره بالتدليس“۔ ”آپ علم اور ثبت میں مشہور ہیں، کثیر الحدیث ہیں۔ امام نسائی وغیرہ نے انہیں تدلیس سے متصف کیا ہے۔“ (طبقات المدلسين بتحقیق عاصم القریوتی، ص: ۳۱، ت: ۸۳، وقد ذكره المؤلف في الطبقة الثالثة)

مزید اقوال کے لئے دیکھیں: تہذیب الکمال فی أسماء الرجال للمزی بتحقیق بشار عواد: ۳۳۸/۱۸، ت: ۳۵۳۹، وغیرہ۔ اور روایت ہذا میں موصوف نے بھی سماع کی صراحت کی ہے۔ والحمد للہ۔

(۵) عبید اللہ بن ابی یزید الکی رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

✽ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ): ”ثقة“۔ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم بتحقیق المعلمی: ۳۳۷/۵، ت: ۱۵۹۳، واسناده صحيح)

✽ امام ابو زرعة الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴ھ): ”ثقة“۔ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم بتحقیق المعلمی: ۳۳۷/۵، ت: ۱۵۹۳)

مزید اقوال کے لئے دیکھیں: تہذیب الکمال فی أسماء الرجال للمزی بتحقیق بشار عواد: ۳۶۹/۱۹، ت: ۳۶۹۷، وغیرہ۔

(۶) عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:

آپ صحابی رسول ہیں۔

کے رواۃ میں مجروح راوی نہیں ہے۔“

✽ علامہ البانی رحمہ اللہ: ”صحیح“۔ (التعلیقات الحسان: ۱۳)

۳۶۶: ج ۲ (۲۷۵: ج ۲)۔ (الصحيح: ۴۰/۶: ج ۲: ۲۷۵)

✽ علامہ احمد محمد شاكر رحمہ اللہ: ”وہو حدیث صحیح“۔

(فی تحقیق سنن الترمذی: ۴۲/۲: ج ۲: ۵۷۹)

✽ محقق شیخ سلیم الہدالی حفظہ اللہ: ”هذا اسناد حسن“۔

(فی تحقیق کتاب الاذکار للنووی، ص: ۱۵۰)

✽ شیخ حسین سلیم الدارانی حفظہ اللہ: ”إسناده حسن“۔ (فی

تحقیق موارد الظمان: ۳۸/۲: ج ۲: ۶۹۱)

✽ علامہ زبیر علی زئی رحمہ اللہ: ”إسناده حسن“۔ (فی تحقیق

سنن ابن ماجہ)

✽ شیخ شعیب الارنؤوط اور ان کی ٹیم: ”حسن بطريقه و

شواهدہ“۔ (فی تحقیق سنن الترمذی: ۱۲۱/۲: ج ۱: ۵۸۶)

✽ اب چند باتیں بطور فائدہ پیش خدمت ہیں:

(فائدہ نمبر: ۱) صحابی رسول - صلی اللہ علیہ وسلم - نے جو آیت

سجدہ تلاوہ کی تھی، وہ سورۃ (ص) کی یہ آیت تھی: ﴿وَحَزَّارًا كَعَا
وَأَنَابَ﴾ (آیت نمبر: ۲۴) جیسا کہ الارشاد الخلیلی (۳۵۳/۱) و اسنادہ

صحیح میں ہے۔

(فائدہ نمبر: ۲) امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”أَنَّهُ

سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ: أَفِي ص سَجْدَةٍ فَقَالَ: نَعَمْ۔“ انہوں نے

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ: کیا سورہ (ص) میں سجدہ

ہے؟ تو آپ نے کہا: ہاں۔۔۔“۔ (صحیح البخاری: ۳۶۳۲ و

۳۸۰۶)

(فائدہ نمبر: ۳) سنن الترمذی کے ایک نسخے میں:

”حسن غریب“ ہے۔ دیکھیں: (سنن الترمذی بتحقیق احمد شاكر

۴۲/۲: ج ۲: ۵۷۹) لیکن بعض محققین نے کہا ہے کہ فقط: ”غریب

“ ہی صحیح ہے۔ دیکھیں: (سنن الترمذی بتحقیق بشار عواد: ۵۷۸/۱،

ج ۲: ۵۷۹، و تحریر التقرير: ۲۸۰/۱)

(فائدہ نمبر: ۴) متن حدیث اور بھی کئی طرق سے مروی

ہے۔ دیکھیں: (الصحيح: ۴۰/۶: ج ۲: ۲۷۵)

(فائدہ نمبر: ۵) اگر کسی شخص سے فقط ایک راوی روایت

کرے اور ائمہ جرح و تعدیل میں سے کوئی بھی معتمد امام اس کی

توثیق بھی نہ کرے، تو ایسا شخص ”مجهول العين“ ہوتا ہے۔ لیکن

اگر کسی شخص سے فقط ایک راوی روایت کرے اور ائمہ جرح و

تعدیل میں سے کوئی معتمد امام (مثلاً: امام ابن معین، امام احمد بن

حنبل، امام ابن عدی وغیرہم) اسے ثقہ کہے، تو ایسا راوی ”

مجهول العين“ نہیں ہوتا ہے بلکہ ثقہ ہوتا ہے۔ جیسے: ہشام بن

عمر و الفزاری رحمہ اللہ وغیرہ۔

اور کسی ثقہ راوی کے لیے یہ بات مضرب نہیں ہے کہ اس سے فقط

ایک راوی روایت کرے۔

امام ابن القطان القاسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۸ھ) فرماتے

ہیں: ”ولا يضر الثقة ان لا يروي عنه إلا واحد، والله

أعلم“۔ ”ثقہ راوی کے لیے یہ بات مضرب نہیں ہے کہ اس سے فقط

ایک راوی روایت کرے۔ واللہ اعلم“۔ (بيان الوهم والإيهام في

كتاب الأحكام بتحقيق الدكتور الحسين آيت سعيد: ۳۹۵/۵، تحت

الحديث: ۲۵۲۲)

✽ اب چند باتیں بطور تنبیہ پیش خدمت ہیں:

(تنبیہ نمبر: ۱) صحیح ابن خزیمہ بتحقیق الاعظمیٰ میں سند اس

طرح ہے: ”نا الحسن بن محمد بن محمد، نا محمد بن يزيد بن

حنبل قال: قال لي ابن جريج قال: حدثني ابن عباس، جاء

رجل إلى۔۔۔“

اور ایک دوسرے نسخے میں اس طرح ہے: أَخْبَرَنَا أَبُو طَاهِرٍ، نا

أَبُو بَكْرِ، نا الحسن بن محمد بن محمد، نا محمد بن يزيد بن حنبل

قال: (حدثني حسن بن محمد بن غنيد الله بن أبي يزيد،

قال: قال لي ابن جريج قال: حدثني ابن عباس، جاء رجل

إلى۔۔۔“

۸۵۲ھ) حسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید المکی رحمہ اللہ کی بابت فرماتے ہیں: ”مقبول“۔ (تقریب التہذیب بتحقیق محمد عوامۃ ص: ۱۶۳، ت: ۱۲۸۲)

اس پر تعاقب کرتے ہوئے تحریر کے مؤلفین رقمطراز ہیں: ”بل مجهول، تفرد بالروایۃ عنہ محمد بن یزید بن خنیس المکی ولم یوثقہ سوی ابن حبان وقال الذہبی فی المغنی: غیر معروف وقال فی الکاشف: غیر حجة“۔ ”بلکہ مجهول ہیں ابن خنیس ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ سوائے ابن حبان رحمہ اللہ کے (کسی) نے ان کی توثیق نہیں کی ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ مغنی میں فرماتے ہیں: یہ غیر معروف ہے۔ اور کاشف میں فرماتے ہیں: یہ حجت نہیں ہے۔“ (۲۸۰/۱)

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ حسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید المکی رحمہ اللہ، نہ تو مقبول (عند المتابعۃ) ہیں اور نہ ہی مجهول بلکہ آپ ثقہ ہیں کیونکہ آپ کی امام خلیلی رحمہ اللہ نے صراحتاً اور کئی ائمہ نے ضمناً توثیق کی ہے۔ کما مر تفصیلاً۔

اور جب راوی ثقہ ہو تو اس کے لئے یہ بات مضرب نہیں ہے کہ اس سے فقط ایک راوی روایت کرے۔ کما مر آنفاً۔

مؤلفین تحریر کا تعاقب کرتے ہوئے، وکتور یاسین ماہر الفحل حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ”لم یحررا هذه الترجمة کعادتهما وقالوا: لم یوثقہ سوی ابن حبان والواقع یشہد بخلاف ذلك. فقد وثقه الخلیلی فی الارشاد وصحح حدیثه المذكور وقد صححه من قبله ابن خزيمة و ابن حبان والحاكم ولم یثقبه الذہبی وله شاهد من حدیث ابی سعید الخدری اخرجه ابو یعلی فی مسنده (المقصد العلی، ص: ۴۱۵) وقال الشیخ محمد عوامۃ فی تعلیقه علی الکاشف (۳۲۹/۱، ت: ۱۰۶۳): فالظاهر انه احسن حالا ممن یقال فیہ: مقبول، وبعد هذا فان من التکلف الاستدراک علی الحافظ“۔ ”ان دونوں حضرات نے اپنی

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ پہلی سند سے دوراوی اور دوسری سند سے ایک راوی ساقط ہے کیونکہ صحیح سند اس طرح سے ہے:

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”أخبرنا ابن خزيمة، قال: حدثنا الحسن بن محمد بن الصباح، قال: حدثنا محمد بن یزید بن خنیس، قال: حدثني حسن بن محمد بن عبید اللہ بن أبی یزید، قال: قال لي ابن جریج: يا حسن، حدثني جدك عبید اللہ بن أبی یزید، عن ابن عباس، قال: جاء رجل الي۔“ (صحیح ابن حبان)

(تنبیہ نمبر: ۲) امام حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (التوفی: ۸۵۲ھ) محمد بن یزید بن خنیس المکی کی بابت فرماتے ہیں: ”مقبول“۔ (تقریب التہذیب بتحقیق محمد عوامۃ ص: ۵۱۳، ت: ۶۳۹۶)

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے تحریر التقریب کے مؤلفین نے ان پر تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: ”بل ثقہ۔“ ”بلکہ آپ ثقہ ہیں۔“ (تحریر تقریب التہذیب: ۳۳۳/۳، ت: ۶۳۹۶)

(تنبیہ نمبر: ۳) امام ابو عبد اللہ مغلطای بن قلیج المصری رحمہ اللہ (التوفی: ۷۶۲ھ) رقمطراز ہیں: ”ذكره أبو حاتم ابن حبان في جملة الثقات“۔ ”امام ابن حبان رحمہ اللہ نے حسن بن محمد کو (اپنی کتاب) الثقات میں ذکر کیا ہے۔“ (التراجم الساقطۃ من کتاب إكمال تہذیب الکمال بتحقیق طلاب وطایات، ص: ۱۱۹، ت: ۴۶)

اور انہیں کی متابعت کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی تہذیب میں یہی بات نقل کی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۵۲۳/۹، ت: ۸۵۹)

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ الثقات جو مطبوع ہے اس میں موصوف کا تذکرہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

التراجم الساقطۃ کے محققین نے بھی یہی بات کہی ہے۔

(تنبیہ نمبر: ۴) حافظ ابوالفضل ابن حجر رحمہ اللہ (التوفی:

کرنے میں منفرد ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔“ (التراجم الساقطۃ من کتاب
إکمال تہذیب الکمال بتحقیق طلائع وطلایات، ص: ۱۱۹، ت: ۴۶)
(تنبیہ نمبر: ۵) امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقلمی رحمہ اللہ
(المتوفی: ۳۲۲ھ) حسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید الہکمی رحمہ
اللہ کی بابت فرماتے ہیں: ”لَا يَتَّبِعُ عَلِيَّ حَدِيثَهُ وَلَا يَعْرِفُ إِلَّا بِهِ
وَلَيْسَ بِمَشْهُورٍ بِالثَّقَلِ“۔ ”اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی
جاتی ہے۔ اور یہ صرف اسی حدیث میں جانا جاتا ہے اور یہ روایت
حدیث میں مشہور نہیں ہے۔“ (الضعفاء الکبیر بتحقیق عبد المعطی:
۲۳۲/۱، ت: ۲۸۹)

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ:

(۱) ”لَا يَتَّبِعُ عَلِيَّ حَدِيثَهُ“۔ یہ جرح قاذح نہیں ہے۔
علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وهذا ليس بجرح قاذح
“۔ (معجم اسماء الرواة: ۲۸۲/۲)

(۲) حسن بن محمد الہکمی رحمہ اللہ ثقہ ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں
گزر چکا ہے۔ اور ثقہ راوی کا کسی روایت کو بیان کرنے میں منفرد
ہونا مضرت نہیں ہے جب تک کہ وہ منکر روایتوں کو بیان کرنے اور
ثقافت کی مخالفت کرنے میں کثرت نہ کرے۔

امام ابن القطان رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۸ھ) فرماتے ہیں:
”فَأَمَّا مَنْ عَرَفَ بِهَا، فَانْفَرَادَهُ لَا يَضُرُّهُ، إِلَّا أَنْ يَكْثُرَ ذَلِكَ مِنْهُ
“۔ ”رہی بات اس شخص کی جو ثقہ ہو تو اس کا تفرؤ مضرت نہیں ہے، جب
تک اس کی جانب سے تفردات کی کثرت نہ ہو۔“ (بیان الوهم
والإيهام في كتاب الأحكام بتحقیق الدكتور الحسين آيت سعيد: ۵/
۳۶۳، تحت الحديث: ۲۵۳۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ”ھدی الساری“ (ثابت بن عجلان
الانصاری کے ترجمے) میں رقمطراز ہیں: ”وقال العقلمی: لا يتابع
في حديثه وتعقب ذلك أبو الحسن بن القطان بأن ذلك لا
يضره إلا إذا كثرت منه رواية المناكير ومخالفة الثقات وهو
كما قال“۔ ”امام عقلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں
اس کی متابعت نہیں کی جاتی ہے، اس پر تعاقب کرتے ہوئے امام

عادوت کی طرح اس ترجمے کی بھی تحقیق نہیں کی۔ اور انہوں نے کہہ
دیا کہ: امام ابن حبان رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے ان کی توثیق نہیں کی
ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ امام خلیلی رحمہ اللہ نے
الارشاد میں ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور ان کی مذکورہ حدیث کو صحیح بھی
قرار دیا ہے اور ان سے پہلے، امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ، امام ابن حبان
رحمہ اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمہ
اللہ نے امام حاکم پر تعاقب نہیں کیا ہے۔ اور ابوسعید الخدری رضی اللہ
عنه کی حدیث اس کی شاہد ہے جس کی تخریج امام ابویعلیٰ رحمہ اللہ نے
اپنی مسند میں کی ہے۔ شیخ محمد عوامہ کاشف پر اپنی تعلیق میں فرماتے
ہیں: ظاہر یہ ہے کہ جن کی بابت مقبول کہا جاتا ہے ان کی حالت ان
سے بہتر ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر استدراک تکلف
ہے۔“ (کنف الاہام، ص: ۳۲۹، ت: ۲۲۹)

امام ابو عبد اللہ مغلطی بن قلیج المصری رحمہ اللہ (المتوفی:
۷۶۲ھ) رقمطراز ہیں: ”وفي كتاب الصريفي: زعم
بعضهم أنه مجهول؛ لأنه لم يروى عنه غير ابن خنيس، ولما
ذكر الخليلي حديثه عن ابن جريج عن جده عبید اللہ بن أبي
يزيد عن ابن عباس في سجدة ”ص“ قال: هذا غريب
صحيح من حديث ابن جريج قصد أحمد بن حنبل محمد
بن يزيد بن خنيس وسأله عنه، وتفرده به الحسن بن محمد
المكي عن ابن جريج وهو ثقة“۔ ”صریفینی کی کتاب میں ہے
کہ بعض نے سمجھا کہ حسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید الہکمی رحمہ
اللہ مجہول ہیں کیونکہ ان سے ابن خنيس کے علاوہ کسی نے روایت
نہیں کیا ہے۔ جب (امام) خلیلی رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو عن
ابن جریج، عن جده عبید اللہ، عن ابن عباس کے طریق سے ذکر کیا جو
سورة (ص) کے سجدہ کے سلسلے میں تھی، تو کہا: یہ ابن جریج کی
حدیث میں سے صحیح غریب روایت ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ
نے ابن خنيس کا قصد کیا اور ان سے اس حدیث کی بابت سوال کیا۔
اور حسن بن محمد الہکمی اس حدیث کو ابن جریج رحمہ اللہ سے بیان

(۵۲۰: ت: ۱۹۴۰)

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ: وہ کون سے امام ہیں جنہوں نے جہالت کی بات کہی ہے؟ راقم کو اس کا علم نہیں ہو سکا۔ واللہ اعلم۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وَحَكِي الذَّهَبِيُّ عَمَّنْ لَمْ يَسْمَعْهُ أَنْ فِيهِ...“۔ ”امام ذہبی رحمہ اللہ نے ایک ایسے شخص سے بیان کیا ہے جس کا نام انہوں نے نہیں لیا ہے ان میں ---۔“۔ (تہذیب التہذیب: ۳۱۹/۲: ۵۵۳)

(تنبیہ نمبر: ۷) امام ذہبی رحمہ اللہ نے حسن بن محمد المکی رحمہ اللہ کی بابت:

(۱) المغنی میں: ”غیر معروف“۔ (بتحقیق نور الدین عتر: ۱/۱۶۷: ۱۲۷)

(۲) الکاشف میں: ”غیر حجة“۔ (بتحقیق محمد عوامہ وغیرہ: ۳۲۹/۱: ۱۰۶۳)

(۳) دیوان الضعفاء میں: ”لا يعرف“۔ (بتحقیق حماد الانصاری، ص: ۸۵، ت: ۹۵۲)۔ کہا ہے۔ اور ان کی زیر بحث روایت کو صحیح بھی کہا ہے۔

راقم باادب عرض کرتا ہے کہ: اس جگہ پر دو باتیں کہی جاسکتی ہیں:

(۱) امام ذہبی رحمہ اللہ کو بعد میں توثیق کا علم ہوا۔ اس وجہ سے زیر بحث حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) یہ وہم ہے۔ جیسا کہ تلخیص المستدرک میں کئی جگہ وہم کا شکار ہو گئے ہیں۔

(تنبیہ نمبر: ۸) بعض حضرات نے زیر بحث روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ان حضرات نے جو سببتا لیا ہے وہ یہ ہے کہ حسن بن محمد المکی رحمہ اللہ مجہول ہیں جبکہ گزشتہ سطور میں یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ موصوف رحمہ اللہ مجہول نہیں بلکہ ثقہ ہیں لہذا ان حضرات کا سند کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(خلاصۃ التحقیق) زیر بحث روایت صحیح ہے۔ والحمد للہ۔ اور اسے ضعیف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

ابوالحسن بن القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چیز اس کو نقصان نہیں پہنچائے گی مگر یہ کہ جب اس کی جانب سے متکرر روایتوں اور ثقافت کی مخالفت کی کثرت ہو اور حقیقت یہی ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے۔“۔ (ص: ۳۹۴، حرف التاء المثلثة)

(۳) کسی ثقہ راوی کی صرف ایک ہی روایت ہو اور وہ نقل میں مشہور بھی نہ ہو تو یہ بھی اس کے حق میں مضریا اس کی روایت کے ضعف کا باعث نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ رجال کی کتابوں میں کئی ایسے ثقہ راوی موجود ہیں جن کی صرف ایک ہی روایت ہے۔ اور ائمہ نے ان کی روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ انہیں میں سے ایک: ”ابو مدللہ الممدنی“۔ ہیں جو کہ سنن ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ ان کی بابت تفصیل کے لئے دیکھیں، راقم کا مضمون: ابو مدللہ عبید اللہ بن عبد اللہ الممدنی، جرح و تعدیل کے میزان پر۔

(۴) جب کوئی ثقہ راوی کسی روایت کو بیان کرنے میں منفرد ہو تو اس روایت پر صحیح غریب کا حکم لگتا ہے۔ جیسا کہ امام خلیلی رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرمایا ہے۔ اور اس کی مزید مثالیں امام ترمذی رحمہ اللہ کی سنن اور امام ذہبی رحمہ اللہ کی سیر اعلام النبلاء اور تلخیص المستدرک اور دیگر کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۵) امام عقیلی رحمہ اللہ کے کلام سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ ان کو جرح و تعدیل کے اعتبار سے نہیں جان سکے۔ جبکہ دوسرے ائمہ کرام نے ان کو جانا ہے اور یہ اصول ہے کہ: ”من عرف حجة علی من لم يعرف“۔ ”جاننے والا، نہ جاننے والے پر حجت ہے۔“

(تنبیہ نمبر: ۶) امام ذہبی رحمہ اللہ حسن بن محمد المکی رحمہ اللہ کی بابت میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں: ”وقال غیرہ: فیہ جہالۃ، ما روی عنہ سوی ابن خنیس“۔ ”امام عقیلی رحمہ اللہ کے علاوہ نے کہا کہ: اس میں جہالت ہے۔ ان سے ابن خنیس رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔“۔ (بتحقیق البجلی: ۱/۱۰۶۳)

مفتی اور مفتی کے آداب

تحریر: فضیلۃ الدکتور الشیخ صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان حفظہ اللہ ترجمانی: رضوان اللہ عبد الرؤف سراجی (مدرس: مرکز الامام البخاری، تلمولی)

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسول الله وعلى آله وأصحابه ومن اهتدى بهداه: أما بعد!

یہ مضمون دراصل فضیلۃ الدکتور الشیخ صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان حفظہ اللہ کے ایک محاضرے کا اردو ترجمہ ہے جو شیخ کی ویب سائٹ پر شکل تحریر عربی زبان میں موجود ہے، چونکہ آج مفتیوں کی کمی نہیں ہے، عصر حاضر میں مسند فتویٰ پر ایسے لوگ براجمان ہیں جو درحقیقت فتویٰ کی اہلیت نہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو مفتی اعظم سے کم نہیں سمجھتے ہیں، بے چارے دو چار کتابوں کا مطالعہ کر کے، دو چار عالموں کی تقریریں سن کے یا علماء کی ہم نشینی سے کچھ علمی استفادہ کر کے مفتی بن جاتے ہیں، اور عوام کی غلطی یہ ہے کہ یہ انہیں بہت بڑا مفتی سمجھ لیتی ہیں، عوامی سطح پر انہیں وہ مقام مل جاتا ہے جس کے حق دار یہ نہیں ہوتے، اتنا نہیں خیال کرتے کہ فتویٰ کا کتنا بڑا مقام ہے اور فتویٰ دینے کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں، آج اگر سماج کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مفتیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا ہے جو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا ہے، ایک سے ایک مفتی میدان میں آرہے ہیں اور قوم انہیں پلکوں پہ بٹھانے کو تیار ہے، ایسے ہی مفتیوں کو اس مضمون میں شیخ محترم نے نصیحت کیا ہے، مطالعہ کے بعد محسوس ہوا کہ اس طرح کے مضامین کا بروقت عوام کی خدمت میں پیش کرنا ضروری ہے تاکہ مفتی کی اہلیت و لیاقت اور فتویٰ کے

آداب سے انہیں آگاہ کیا جائے اور ان کے مآؤف ذہن اور بگڑے ہوئے ماحول کی اصلاح ہو سکے، بنا بریں شیخ محترم کے اس مضمون کا اردو ترجمہ کیا گیا، آسان سے آسان ترجمہ کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ہر عام و خاص کو سمجھنے میں آسانی ہو، اب اس کے باوجود بھی اگر کوئی کمی یا غلطی باقی رہ جاتی ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اگر میں درستگی کو پہنچا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (مترجم)

محترم قارئین! مفتی و مفتی کے آداب پر گفتگو کرنے سے پہلے کچھ فتویٰ کے حوالے سے بھی بتانا چلوں تاکہ دونوں کے ربط و ضبط سے بات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

فتویٰ درحقیقت ایک اہم کام ہے کیوں کہ یہ ہر انسان کی ضرورت ہے، چونکہ علم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بہت بڑی نعمت ہے جسے حاصل کرنے کے بعد حسب استطاعت دوسروں تک پہنچانا اس سے دوسروں کو متعارف کرانا ضروری ہے کیوں کہ عوام اس کی محتاج ہے، اور علم کے دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بابت معلومات فراہم کرنے کا ایک راستہ فتویٰ بھی ہے۔

بسا اوقات اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دینے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ فَلْيُلِيهِمْ فِيهِنَّ﴾ ”وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے! خود اللہ ان

پوچھیں تو وہ بتائے ناکہ چھپائے کیوں کہ اس کا چھپانا جائز نہیں ہے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ملعون قرار پائے گا اور اللہ تعالیٰ کی وعیدوں کا حق دار ہوگا۔

لیکن بتانے والا یعنی مفتی بغیر علم کے فتویٰ نہ دے، مفتی سے کچھ پوچھا جائے اور اسے معلوم نہ ہو تو اس کا جواب دینا صحیح نہیں ہے، وہ مشکوک یا غلط فتویٰ دینے کے بجائے لاعلمی کا اظہار کر دے (کیوں کہ مفتی بھی ایک انسان ہے وہ پورے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا) تا آنکہ کتاب و سنت کی طرف مراجعہ کرنے یا اہل علم سے مشورہ کرنے کے بعد اس کے پاس صحیح جواب آجائے وہ کسی بھی سوال کا جواب دینے میں جلدی نہ کرے کیوں کہ ممکن ہے لا علمی میں وہ غلط فتویٰ دے دے تو وہ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بولنے والا شمار کیا جائے گا اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔ ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”آپ فرمادیجیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو اعلانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اس بات کو کہ اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات نہ لگا دو جس کو تم جانتے نہیں۔“ (الأعراف: ۳۳)

گویا علم نہ ہونے کے باوجود فتویٰ دینا بہت ہی خطرناک مسئلہ ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا خَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يَفْلِحُونَ، مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ انہیں بہت معمولی

کے بارے میں حکم دے رہا ہے۔“ (النساء: ۱۲۷)

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يَسْتَفْثُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ ”لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (خود) تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔“ (النساء: ۱۷۶)

فتویٰ کا اہتمام خود نبی ﷺ نے بھی کیا ہے آپ ﷺ نے بھی فتویٰ دیا ہے، کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو لوگ آ کر نبی ﷺ سے پوچھتے اور نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی (متلو یا غیر متلو) کی روشنی میں جواب دیتے۔

پھر فتویٰ کی ذمہ داری علماء کرام پر آگئی کیوں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، حسب ضرورت عوام الناس ان سے پوچھتی ہے اور یہ عوام کے سوالوں کا جواب ماضی میں دیتے تھے اور آج بھی دیتے ہیں، جس سے اس بات کا پتہ چلا کہ فتویٰ عوام کی ضرورت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نہ جاننے والوں کو تاکید کیا کہ ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔“ (النحل: ۴۳)

اور جاننے والے پر بتانا واجب قرار دیا تاکہ وہ کتمان علم کا شکار نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ، إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَإِنَّكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ”جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔“ (البقرة: ۱۵۹-۱۶۰)

گویا اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو علم دیا ہے اور لوگ اس سے

فائدہ ملتا ہے اور ان کے لئے ہی دردناک عذاب ہے۔“ (النحل: ۱۱۶-۱۱۷)

پتہ چلا کہ جس سوال کا جواب مفتی کو معلوم نہ ہو اس پر توقف اختیار کرے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے دروازہ کھول دے اور جواب اسے معلوم ہو جائے۔

امام دارالبحرہ امام مالک رحمہ اللہ سے چالیس سوالات پوچھے گئے تھے، چونکہ ایک آدمی کہیں دور دراز کا سفر کر کے ان سے چالیس مسئلے کا حل معلوم کرنے آیا تھا تو امام مالک رحمہ اللہ نے ان میں سے صرف چھ سوالوں کے جوابات دیئے اور بقیہ کے بارے میں کہا ”لا أدري“ ”کہ میں نہیں جانتا ہوں“۔ وہ آدمی سن کر حیران رہ گیا اور بولا کہ میں نے آپ کی بابت ایسا ایسا سنا تھا اور آپ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا، امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ ہاں! آپ اپنی سواری پر سوار ہو جائیں اور جا کر لوگوں سے کہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی سوال ہوتا اور اس پر من جانب اللہ پہلے سے کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی تک خاموش رہتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں یستفتو نک یستفتو نک یستفتو نک کہا ہے، جب من جانب اللہ وحی آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے۔

مفتی اگر سائل کے سوال پر ”لا أدري“ کہہ دے یا کہہ دے کہ تھوڑا انتظار کریں یا بعد میں آئیے تاکہ میں تھوڑا غور کر لوں تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے بلکہ اس میں کمال ہے اور یہ صحیح عمل ہے، عیب تو نہ جاننے کے باوجود جواب دے دینے میں ہے بلکہ بہت بڑا عیب ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بولنا ہے۔

اسی طرح مفتی حق بات جانتے ہوئے ہوئی پرستی میں آکر سائل کی رغبت کا خیال کرتے ہوئے یا دنیوی مال و متاع کی لاچ میں آکر ناحق فتویٰ نہ دے اس مسئلے کی بابت اسے جو صحیح بات

معلوم ہے وہی بتائے، صحیح علم ہونے کے باوجود اس کے برخلاف فتویٰ دینا صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهٰذِي وَالْعَذَابِ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ ”جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے حقیر سی قیمت قبول کر لیتے ہیں، وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں، اور قیامت کے دن اللہ ان سے بات نہیں کرے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ انہی لوگوں نے ہدایت دے کر ضلالت لے لی، اور مغفرت کے بدلے عذاب قبول کر لیا۔ یہ لوگ عذاب نار پر کس قدر صبر کرنے والے ہوں گے۔“ (البقرہ: ۷۴-۷۵)

کسی بھی عالم کے لئے سائل کو یا سائل کے علاوہ کسی اور کو راضی کرنے یا اس دنیوی مال و متاع اور اجرت کی وجہ سے جو اس کے ناحق فتویٰ کے عوض ملتی ہے ناحق فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ احکام الہیہ میں تبدیلی ہے جو کہ بہت ہی خطرناک عمل ہے۔

عالم سے جب سوال کیا جائے تو اتنا ہی جواب دے جتنا پوچھا گیا ہے، اور جو نہیں پوچھا گیا ہے وہ نہ بتائے الا یہ کہ سائل کو اس کی ضرورت ہو یا ضرورت آسکتی ہو، جب مفتی کو یہ احساس ہو جائے کہ یہاں مطلوبہ جواب کے ساتھ ساتھ مزید کچھ تفصیلات ضروری ہیں تو وہ اضافی باتیں بتا سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ”ماء البحر“ یعنی سمندر کے پانی کی پاکی کی بابت سوال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحُلُ مَيْتَنَّهُ“ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (جامع الترمذی: ۶۹، سنن ابی داؤد: ۸۳)

کی تعبیر بتلا دوں گا یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو میرے رب نے سکھایا ہے، میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔ میں اپنے باپ دادوں کے دین کا پابند ہوں، یعنی ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کے دین کا ہمیں ہرگز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں ہم پر اور تمام اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ (یوسف: ۳۷-۳۸)

نیز انہیں توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا صَاحِبِي السِّجْنِ أَأَرَبَابٌ مِّتَقَفُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ”اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقتور۔“ (یوسف: ۳۹)

گویا جب یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کا عقیدہ صحیح نہیں ہے تو محسوس کیا کہ انہیں توحید کی طرف بلانا ضروری ہے، گرچہ انہوں نے عقیدہ کی بابت سوال نہیں کیا ہے لیکن انہیں اس کی ضرورت ہے کیوں کہ عقیدہ ہی اساس ہے تو انہیں یوسف علیہ السلام نے پہلے توحید کی دعوت دی اور ان کے سامنے واضح کیا کہ یہی انبیاء علیہم السلام کا منہج اور ان کی ملت ہے پھر ان کے سوالوں کا جواب دیا۔

گویا عالم جب سائل کے سوال پر زیادتی کا احساس کرے تو زیادہ کر دے لیکن جب کوئی ضرورت محسوس نہ کرے تو حسب سوال ہی جواب دے، اس کے سوال ہی کی حد تک جواب دینے پر اکتفا کرے یہ باتیں مفتی کے حوالے سے ذکر ہوئیں کہ ایک انسان جب کسی کے سوال کا جواب دے یا مسند فتویٰ پر براہمان ہو تو جواب دیتے وقت ان شروط کا خیال ضرور کرے۔

اب مستفتی کے آداب ملاحظہ کریں:

مستفتی عالم سے جب سوال کرے تو اس کا لہجہ نرم اور التماس والا ہو وہ نامناسب انداز میں سوال نہ کرے بلکہ انہیں نرم انداز میں مخاطب کر کے سوال کرے اور جب سوال کرے تو اسے طول

دیکھئے سائل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندری مردار کی بابت سوال نہیں کیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ماء البحر“ کی بابت جواب دینے کے ساتھ ساتھ ”الْجَلُّ مَيْتَتُهُ“ کا اضافہ کر دیا چونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ یہ شخص سمندر کے پانی کی بابت نہیں جانتا ہے تو سمندری مردار یعنی مچھلی کی بابت بھی نہیں جانتا ہوگا کہ یہ حلال ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضافہ کر دیا کیوں کہ وہ بھی اس کی ضرورت ہے۔

اسی طرح یوسف علیہ السلام جب قید خانے میں ڈالے گئے اور قیدیوں نے ان میں علامت خیر اور علم دیکھا تو ان سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی وضاحت بایں انداز کیا ہے۔ ﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أُحْمَلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبَثْنَا بِنَاؤِيلَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔“ (یوسف: ۳۶)

تو یوسف علیہ السلام نے جواب دینے میں جلدی نہیں کیا بلکہ پہلے انہیں توحید کی دعوت دی ﴿قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَأُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ، وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾ ”یوسف نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس

سوال کرنا ہے تو ایسے عالم سے سوال کیجئے جس کے علم اور دین پر تمہیں اعتماد ہو اور اسی کے جواب پر اکتفا کیجئے۔

اسی طرح مستفتی کے آداب میں سے بلا ضرورت و بلا اشکال سوال نہ کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، ضرورت ہی پر کوئی سوال کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو“۔ (النحل: ۴۳)

اور مفتی کتاب وسنت کے مطابق ہی فتویٰ دے، اس کا جواب کتاب وسنت سے ہٹ کر نہ ہو، اور مفتی لوگوں کے لئے رخصتیں نہ تلاش کرے اور انکے لئے انکی من مرضی کے دروازے نہ کھولے، کتاب وسنت کی روشنی میں جو جواب آرہا ہے وہی دیا جائے خواہ وہ جواب کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو کیوں کہ اگر دلیل کے مخالف بات ہوگی تو یہ نفسانی خواہشات کی اتباع ہوگی، اسی لئے وہ ایسی بات اخذ کر کے رخصت نہ تلاش کرے خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا بلکہ کتاب وسنت میں جو ملے وہی جواب دے۔

اسی طرح سائل اور مجیب کے درمیان فتویٰ کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ مفتی سائل کا خیر خواہ ہو اور ایسا فتویٰ دے کہ مفتی اور سائل دونوں اپنی شرعی ذمہ داری سے بری ہو جائیں۔ ایسا جواب دے کہ سائل بھی مطمئن ہو جائے اور مفتی بھی مطمئن ہو کیوں کہ سائل مسوؤل کے ذمہ میں ہے، سائل کے سوال کا جواب مفتی ایسا دینے کی کوشش کرے کہ اسے بری الذمہ کر دے یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے، بسا اوقات مستفتی کسی خطرناک مسئلے میں پھنس جاتا ہے تو ایسے مقام پہ وہ اپنی خواہش کے مطابق فتویٰ چاہتا ہے تاکہ اس کی مصیبت دور ہو، ایسے موقع پر مفتی دلیل ہی کی روشنی میں فتویٰ دے مستفتی کے موافق فتویٰ کبھی نہ دے، وہ فتویٰ کچھ اور چاہتا ہے لیکن مفتی دیکھ رہا ہے کہ کتاب وسنت میں دلیل اس کے خلاف ہے تو کتاب وسنت ہی کے مطابق فتویٰ دے۔

نہ دے بلکہ مختصر انداز میں سوال کرے، اسی طرح مفتی کے ساتھ مستفتی قولاً ہو یا فعلاً ادب واحترام کے ساتھ پیش آئے کیوں کہ اسے عالم کی ضرورت ہے، ایک عالم کے سامنے اس آدمی کا بلند آواز یا سخت انداز میں بات کرنا منع ہے، یہ ایک عالم کا حق اور اس کے قدر و منزلت کی رعایت ہے، اسی لئے مستفتی کبھی بھی مفتی کے ساتھ نامناسب انداز میں پیش نہ آئے بلکہ نرم کلامی سے کام لے، بطریق احسن مفتی کے سامنے اپنی بات رکھے۔

بلا وجہ کسی عالم کو زیر کرنے، بین الناس اسے ہونا اور کمزور ثابت کرنے کے لئے اس سے نامناسب انداز میں سوال کرنا یا فتویٰ پوچھنا ممنوع ہے، سائل شکفتہ مزاج اور نرم لہجہ کا حامل انسان ہو۔

اسی طرح بوقت مشغولیت کسی عالم سے سوال نہ کیا جائے بلکہ ایسے وقت میں سوال کیا جائے کہ عالم سوالات کے جواب دینے کو تیار ہو، غصے کی حالت میں مفتی سے فتویٰ نہ طلب کیا جائے، اسی طرح عالم کے پاس اگر جواب دینے کا وقت نہ ہو تو نہ پوچھا جائے بلکہ مناسب وقت کا انتظار کیا جائے۔

اسی طرح ایک ہی عالم سے سوال کیا جائے، آپ کو جس کے دین اور جس کے علم پر اعتماد ہو اسی سے پوچھو، پر ایک ہی سے پوچھو، ایک ہی سوال لے کر کئی عالموں کے پاس نہ جاؤ جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں، بعض لوگ ایک عالم سے سوال کرتے ہیں لیکن اس کے جواب دے دینے کے بعد پھر وہی سوال ایک دوسرے عالم کے پاس لے کر جاتے ہیں، پھر وہاں سے جواب مل جانے کے بعد تیسرے عالم کے پاس بھی جاتے ہیں کیوں کہ یا تو یہ لوگ سارے عالموں کا جواب جمع کر کے بین الناس عام کرنا چاہتے ہیں یا اپنے من کا جواب چاہتے ہیں اور جب عالم ان کے من کے مطابق فتویٰ نہیں دیتا تو دوسرے کے پاس جاتے ہیں اور جب وہاں بھی مایوسی ہاتھ لگتی ہے تو تیسرے کے پاس جاتے ہیں تاکہ انہیں اپنے من کے مطابق فتویٰ مل جائے، یہ ناجائز ہے، اگر آپ کو

فرمان: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو“۔ (الحج: ۴۳) کے مطابق لاعلمی کی صورت میں کسی عالم سے پوچھنا نیز حسب استطاعت اس فتویٰ کے مطابق عمل بھی کیا چونکہ یہاں ”أَهْلَ الذِّكْرِ“ سے اہل علم مراد ہیں اس کا یہ مطلب ہوا کہ عالم ہی سے پوچھا جائے غیر عالم سے پوچھنا صحیح نہیں ہے، اور اس ٹکڑے ﴿إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ سے پتہ چلا کہ جس بات کا علم نہیں ہے وہی پوچھا جائے اور جس بات کا علم ہے اس پر عمل کیا جائے۔

فتویٰ دینے والوں کے کئی درجے ہیں، سارے مفتی برابر نہیں ہیں، کچھ مفتی کتاب و سنت سے مسائل کا استنباط کر سکتے ہیں، ان کے اندر اجتہاد کی شرطیں موجود ہیں تو یہ اپنی رائے اور اپنے قول کی روشنی میں فتویٰ نہیں دیتے بلکہ کتاب و سنت میں جو ملتا ہے اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، فلاں فلاں کے اقوال پر فتویٰ نہیں دیتے کیوں کہ حق اور ناحق میں یہ لوگ تمیز کر سکتے ہیں، کسی بھی مسئلے کا حل کتاب و سنت سے ثابت کر سکتے ہیں، ان میں اجتہاد کی شرطیں موجود ہوتی ہیں، اور یہ بڑے بڑے علماء اور ائمہ کا مسئلہ ہے، جیسے ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ)، ان کے اندر اجتہاد کی شرطیں موجود تھیں جیسا کہ علماء نے اس کا ذکر کیا ہے، اور جو اجتہاد کے درجے کو پہنچ جائے اسی کو مجتہد کہا جاتا ہے اور ایسا شخص کسی اور کی تقلید نہیں کرتا۔

پھر علماء کا ایک طبقہ ایسا ہے جن کے اندر اجتہاد کی وہ شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں، جن شروط کے حامل امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل و دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ تھے لیکن انہیں سابق علمائے کرام کے اقوال و فتاویٰ کی گہری جانکاری ہے، ایسے وقت میں ان پر ان سابق علماء و ائمہ کے ان اقوال کا اخذ کرنا ضروری ہے جو کتاب و سنت کے موافق ہو، اسی کا نام ترجیح رکھا جاتا ہے، کوئی بھی عالم علماء کے تمام اقوال پڑھ لینے کے بعد وہ فتویٰ دے جو رائج ہو، مرجوح قول کا فتویٰ نہ دے، اسی طرح ایسے قول

اسی طرح مستفتی بھی اپنی مرضی و خواہش کا فتویٰ نہ چاہے بلکہ وہ فتویٰ طلب کرے جو کتاب و سنت کے موافق ہو، خواہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ہم کتاب و سنت پر عمل کرنے کے مکلف ہیں، اسی لئے آپ ایسے آدمی سے سوال کریں جس کے دین اور علم پر آپ کو بھروسہ ہو اور جس کے فتویٰ پر آپ عمل کر سکتے ہیں اس سے آپ بری الذمہ ہو جائیں گے، اور یہی بات ایسے شخص کی جو ایسے مفتی سے سوال کرتا ہے جو اس کے حساب سے فتویٰ دے یا ایک سے پوچھنے کے بعد دوسرے کے پاس جائے تاکہ اس کے من کے مطابق فتویٰ مل جائے تو یہ نفسانی خواہشات کی پیروی ہے، نا کہ سنت کی اتباع، کیوں کہ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ حق کا متلاشی نہیں تھا، وہ حق نہیں تلاش کر رہا تھا بلکہ من کے مطابق جواب تلاش کر رہا تھا، اللہ ہمیں ایسی حرکتوں سے بچائے۔ آمین

بر وقت، فتویٰ کے باب میں یہی ہو رہا ہے، عصر حاضر میں ایک سے ایک مفتی موجود ہیں، علم نہ ہونے کے باوجود مفتی بنے بیٹھے ہیں، کچھ اندازے سے فتویٰ دیتے ہیں، ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر بیٹھے بلا تحقیق فتویٰ دیتے ہیں، حتیٰ کہ ان مسائل میں بھی یہ بیچارے زبان کھولنے میں حرج محسوس نہیں کرتے جن پر بڑے بڑے علماء توقف اختیار کرتے تھے، جن پر علماء کبار زبان کھولنے سے ڈرتے تھے۔

یہ کم علم اور پندار ہمہ دانی کا شکار بڑی آسانی سے فتوے داغتے ہیں اور ان کے دل میں ذرہ برابر اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے، اور یہ ایسا مسئلہ کہ اس سے نہ صرف یہ کہ مفتی متاثر ہوتا ہے بلکہ مستفتی اور سماج پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے، علم کھیل تماشہ نہیں بلکہ ایک امانت ہے، اس سے کھلواڑ مناسب نہیں ہے۔

مسلمان فتویٰ کے لئے عالم کی تلاش میں حد درجہ امانت داری سے کام لیں، ایسے عالم سے فتویٰ طلب کریں جو پرہیزگار اور امانت دار ہو، فتویٰ طلب کرنے کے بعد اس پر عمل کریں، جس نے ایسا کیا وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو گیا کیوں کہ اس نے اولاً اللہ تعالیٰ کے

لیکن عصر حاضر میں فتویٰ کے معاملے میں لوگ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں رہا کرتے ہیں، کوئی بھی غورو فکر اور سنجیدگی سے کام نہیں لیتا، بسا اوقات تو لوگ ایسا جواب دے دیتے ہیں جو سوال کا مقصود ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ سوال ہی نہیں ہوتا، لیکن اپنے آپ کو عالم باور کرانے کے لئے لاعلمی کا اظہار نہ کر کے جواب دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں جس سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف کم ہے، اسی لئے فتویٰ دینے میں یہ لوگ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش میں رہا کرتے ہیں، انہیں بلا علم فتویٰ دینے کے برے نتائج اور بروز قیامت اللہ رب العزت کے جناب جواب دہی کا ذرہ برابر احساس نہیں ہے۔

جاری ہے۔

جو صرف علماء کے اقوال سے باخبر ہے لیکن دلیلوں سے بے خبر ہے وہ صرف یہی جانتا ہے کہ فلاں نے کہا فلاں نے کہا لیکن اس کی بابت اور کچھ نہیں جانتا ہے تو اس کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ ایسی صورت میں وہ راجح کے بجائے مرجوح کا فتویٰ دے سکتا ہے یا ایسا فتویٰ دے سکتا ہے جو سوال کے موافق نہ ہو، سوال کے مطابق ہی مفتی جواب دے، لوگ کہتے ہیں کہ مفتی کی مثال ڈاکٹر کی ہے، ڈاکٹر مرض کے موافق ہی دوا دیتا ہے، ایسی دوا نہیں دیتا جو مریض کے لئے نامناسب ہو، اگر ایسا کرے گا تو مریض کے شفا پانے کے بجائے اس کی مرض میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، فتویٰ دوا کی طرح ہے، جس طرح ڈاکٹر بیماری کے مطابق ہی دوا کا استعمال کرتا ہے اسی طرح مفتی بھی پہلے سوال کی ساری حالتوں سے آگاہی حاصل کرتا ہے پھر اسی کے مطابق جواب دیتا ہے، یہی مفتی فتویٰ کے لئے مناسب ہوتا ہے۔

صحابی ہو، تابعی ہو یا بعد کے ائمہ میں سے کوئی امام ہو اگر ان کے

امام ابو عبد الرحمن محمد بن الحسین السلمی رحمہ اللہ کی توثیق

(حصہ دوم)

سید انور شاہ راشدی

رہے امام مناوی، علامہ معلی، شیخ البانی، شیخ ارشاد الحق اثری،
تو ناقلین و عصر حاضر کے ہیں، افسوس ہے کہ کس طرح صاحب
تحریر سلمی کی تضعیف میں انہیں جمہور میں شامل کر کے پیش
کر رہے ہیں۔ ناقلین و عصر حاضر کے اہل علم بھی اب جمہور
ناقدین میں شامل ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ (!!!)

ابن حجر رحمہ اللہ بلاشبہ ایک ناقد امام ہیں اور ان کا مجتہدانہ نقد
حجت ہے لیکن یہ جرح ابن حجر رحمہ اللہ کے اجتہاد سے صادر نہیں
ہوئی بلکہ انہوں نے محمد بن یوسف القطان کی جرح کو پیش نظر رکھا
ہے۔

حافظ ذہبی کی جرح تضعیف کو مستلزم نہیں، بلکہ خود ان کی توثیق
کے بھی معارض ہے کما سیاتی۔

ابن تیمیہ کے نزدیک تو وہ معتبر ہے، جیسا کہ آگے اسکی تفصیل
آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز۔ لہذا جمہور کی تضعیف کا کہہ
کر سلمی کو وضاع کہنا نہایت تعجب ناک ہے۔

امام ابو عبد الرحمن السلمی کی توثیق پر بعض شبہات کا ازالہ:
امام ابو عبد الرحمن السلمی کی متعدد ائمہ نے توثیق کی ہے مقالہ
نگار نے صرف چند ہی کا ذکر کیا ہے اور ان پر بھی شبہات پیش
کئے ہیں ذیل میں ان شبہات کا ازالہ پیش خدمت ہے:
امام حاکم کی توثیق:

مقالہ نگار لکھتے ہیں: ”بعض لوگ سلمی صوفی کی توثیق کے
لیے امام حاکم رحمہ اللہ کا یہ قول پیش کرتے ہیں:

کیا جمہور نے امام ابو عبد الرحمن السلمی پر جرح کی ہے؟
مقالہ نگار نے پہلے امام سلمی کی توثیق پر ”توثیق کی حقیقت“
کا عنوان رقم کر کے بحث کی ہے، پھر اسکی تضعیف پر محدثین کرام
کی ”شدید جرح“ کا عنوان قائم کر کے اس پر اقوال تضعیف نقل
کیے ہیں۔

تحریر کے شروع میں لکھتے ہیں: ”ابو عبد الرحمن محمد بن حسین
سلمی ضعیف و وضاع“ ہے، جمہور محدثین کرام نے اسے مجروح
ہی قرار دیا ہے، بعض نے جو توثیق کی ہے، وہ معتبر نہیں۔
ان کا ”بعض“ سے مراد امام خلیلی، امام حاکم، امام سبکی، اور
سبط ابن الجوزی ہیں۔

محترم قارئین! مقالہ نگار نے جمہور کی تضعیف کی بات کی
ہے۔ اور انہوں نے مضعفین میں:

محمد بن یوسف القطان النیسابوری

شیخ الاسلام ابن تیمیہ

حافظ ذہبی

حافظ ابن حجر

علامہ عبد الرؤف المناوی

علامہ معلی (رحمہم اللہ)

شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تعالیٰ کو ذکر کیا ہے۔

محمد بن یوسف القطان اس میدان کے آدمی نہیں کہ سلمی کے
متعلق ان کا قول حجت بن سکے۔

اسکی عدالت کیسز رہے گی۔

حافظ زبیر علی زکی رحمہ اللہ بھی متقن کے لفظ کو توثیق کا صیغہ ثابت کرنے کے لئے بعض اہل علم کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ثابت ہوا کہ متقن کا لفظ توثیق ہے۔ (مقالات: ج: ۶، ص: ۱۲۶)

محترم قارئین! امام سلمیٰ کی ائمہ نے توثیق کی ہے، اور اسکی عدالت کا اثبات و دفاع کیا ہے، تو اسکی عدالت اور توثیق ہی رائج و معتبر ہے، باقی جس نے اسکی توثیق و عدالت پر طعن کیا ہے وہ غیر ثابت اور غیر معتبر ہے۔

امام سلمیٰ، امام غلیلی، امام حاکم، امام بیہقی، محدث خشاب، امام ابن تیمیہ اور امام سبکی کے نزدیک ثقہ اور حافظ ذہبی وغیرہ سے اسکی عدالت کا اثبات اور دفاع موجود ہے بلکہ ضمنی توثیق بھی ثابت ہے، امام حاکم کا قول اوپر گزر چکا ہے، باقی امام غلیلی، اور امام بیہقی وغیرہ کے اقوال ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام غلیلی کی توثیق:

امام سلمیٰ، امام غلیلی کے نزدیک ثقہ ہیں، بلکہ وہ اسکی ثقاہت پر اتفاق نقل کرتے ہیں، انکے الفاظ ہیں: ”ثقة، متفق علیہ“۔ کہ اسکی ثقاہت پر اتفاق ہے۔ (الإرشاد فی معرفة علماء الحديث للخلیلی: ۸۶۰/۳)

امام غلیلی نے اسکی ثقاہت پر اتفاق کی بات کی ہے، گویا امام غلیلی کو اسکے مؤقفین کا علم تھا، لیکن مقالہ نگار کہتے ہیں کہ: ”یہ قول (ثقة، متفق علیہ) شاید کسی غلط فہمی کی بنا پر صادر ہو گیا ہے، کیونکہ اسکی ثقاہت پر اتفاق تو کجا، ائمہ جرح و تعدیل نے تو اسے جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا قرار دیا ہے۔ ایضاً“۔

تو یہ بڑا تعجب ناک ہے کہ اپنے تئیں یہ کہہ بیٹھے کہ: ”(امام غلیلی سے) یہ قول (ثقة، متفق علیہ) شاید کسی غلط فہمی کی بنا پر صادر ہو گیا ہے“۔

”کثیر السماع والطلب متقن فیہ“۔ کثیر السماع، علم کو طلب کرنے والے اور اس میں متقن تھے۔ (سوالات المسجری، ص: ۶۵)

مزید لکھتے ہیں: ”امام حاکم رحمہ اللہ نے اس قول میں صرف اسکے حافظے پر بات کی ہے، عدالت پر نہیں، حافظے کے مضبوط ہونے سے کوئی ثقہ نہیں ہوتا، تا آنکہ اسکی عدالت بھی ثابت ہو، اور اسکی عدالت پر سخت ترین جرح موجود ہیں۔ جیسا کہ آئندہ سطور میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔“

اولاً:

مقالہ نگار نے اقرار کیا ہے کہ امام حاکم سے سلمیٰ کے ضبط قوی کا ثبوت موجود ہے، یعنی امام حاکم کے نزدیک سلمیٰ کا حافظ قوی ہے۔

ثانیاً:

رواۃ کی توثیق (عدالت اور ضبط کی گواہی دینا) کے مختلف انداز اور طریقے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ محض راوی کے ضبط کو ہی دیکھ کر اسکی توثیق و تضعیف کی جاتی ہے، یہ بات تقریباً تمام کتب اصول میں مذکور ہے، باقی رہے اسکے پوشیدہ احوال، تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوتے ہیں، یہاں تو صورتحال یہ ہے کہ امام حاکم ایک ایسے شخص کے ضبط قوی کی گواہی دے رہے ہیں جس کے حال کے وہ خود عینی شاہد ہیں، یعنی امام ابو عبد الرحمن سلمیٰ امام حاکم کے استاد ہیں، محض انکا اپنے شیخ کے ضبط قوی وغیرہ کی گواہی دینا ہی اسکی توثیق کے لیے کافی ہے، ظاہر ہے، وہ اپنے شیخ کے حالات سے واقف ہو گئے، اگر ان میں ایسا کچھ پاتے تو ضرور بیان کرتے، اگر انہیں ایسا کچھ اس میں نہ نظر آیا تو کسی کے باطنی معاملات میں ہمیں جھانکنے کا حکم نہیں دیا گیا، ویسے بھی باقی اسکی عدالت میں کلام نہیں، اور اسکے حق میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ احادیث گھڑتا ہے، تو وہ قطعاً ثابت نہیں، لہذا

بڑی غلط فہمی ہے جسے امام خلیلی کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

المختصر! امام خلیلی کہتے ہیں کہ سلمیٰ کی توثیق پر اتفاق ہے، مقالہ نگار کو اگر امام خلیلی کے اس قول کو رد کرنا تھا تو ان ائمہ سے اقوال التضعیف نقل کرتے جو امام خلیلی کے ہم عصر تھے، بعد والوں کے اقوال انکے قول کے مقابلہ میں کسی طور نہیں پیش کیے جاسکتے، لہذا امام خلیلی کی نظر میں سلمیٰ کے مؤقفین ہی تھے، مضعفین انہیں نہیں ملے، اس لیے انہوں نے ”سلمیٰ کی توثیق پر اتفاق کی بات کی“ واللہ اعلم..

امام سبکی کی توثیق:

امام سبکی بھی محمد بن یوسف کی جرح کو نقل کرنے کے بعد خطیب بغدادی کا (دفاع والا) تعاقب ذکر کر کے کہتے ہیں: ”قلت: قول الخطیب فیہ هو الصحیح، و ابو عبد الرحمن ثقة، ولا عبرة بهذا الکلام فیہ“، (طبقات الشافعية: ۱۴۵/۳) مقالہ نگار نے امام سبکی کی توثیق کو بے وقعت ثابت کرنے کے لئے ان پر بدعتی اور گمراہ ہونے کا فتویٰ داغ دیا ہے۔ یہ مقالہ نگار کا اپنا فتویٰ ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بہر کیف ائمہ کرام نے اسکی توثیق کی ہے اور عدالت کا بھی دفاع کیا ہے، باقی اگر کسی نے اسکی عدالت پر جرح کی ہے، تو وہ فی الحقیقت عدم ثبوت کی وجہ سے غیر معتبر ہے، توثیق کے مقابلہ میں اسکی کوئی حیثیت نہیں۔

امام ابو عبد الرحمن السلمی کی توثیق کے مزید حوالے:

مقالہ نگار نے صرف چند ہی اقوال توثیق پیش کر کے ان پر شبہات وارد کئے ہیں اور امام ابو عبد الرحمن السلمی سے متعلق دیگر اہل فن کی جو توثیقات ہیں ان کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم امام ابو عبد الرحمن السلمی سے متعلق ائمہ کرام سے توثیق کے مزید اقوال پیش کرتے ہیں، جن سے امام

محترم قارئین! مقالہ نگار کا امام خلیلی کے قول کے متعلق کہنا کہ: ”شاید کسی غلط فہمی کی بنا پر صادر ہو گیا ہے، اسکی عدالت پر سخت جروح ہیں“ بجائے خود ایک غلط فہمی ہے، کیونکہ یہ بات تب درست ہو سکتی تھی جب مقالہ نگار ان مضعفین اور جرحین کو ذکر کرتے جو امام خلیلی کے ہم عصر تھے، جبکہ صورتحال ایسی نہیں، انہوں نے سلمیٰ کے مضعفین میں جس اقدم مضعف کو ذکر کیا ہے، وہ خطیب بغدادی کے شیخ ”محمد بن یوسف القطان النیسابوری“ ہیں، جنکی وفات (۴۲۰ھ) میں ہوئی ہے، اور امام خلیلی کا سن وفات (۴۴۶ھ) ہے، اس اعتبار سے محمد بن یوسف القطان اور امام خلیلی تقریباً ہم عصر ہیں، امام قطان کے اس تضعیف والے قول سے یقیناً امام خلیلی مطلع نہیں ہو گئے، (انکے متعلق حسن ظن کا یہی تقاضا ہے) کیونکہ ان (القطان) سے یہ جرح خطیب بغدادی نے ذکر کی ہے، لہذا وہ اس جرح پر کیسے مطلع ہو سکتے ہیں، بالفرض اگر وہ مطلع بھی ہوں تب بھی امام قطان کا یہ قول غیر مسموع ہے، اس لیے کہ وہ اس میدان (جرح و تعدیل) کے آدمی نہیں کہ جرح و تعدیل کے باب میں ان کی بات کو اہمیت دی جائے، لہذا امام خلیلی کے نزدیک اسکا قول کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے، گویا امام خلیلی نے جو اسکی ثقاہت پر اتفاق کا کہا ہے تو اسے کسی طرح بھی بلا وجہ اور بلا دلیل ”غلط فہمی“ کا نام نہیں دیا جاسکتا، امام سلمیٰ کی تضعیف کرنے والے باقی ائمہ امام خلیلی سے کافی متاخر ہیں، مثلاً امام ابن تیمیہ، حافظ ذہبی، ابن حجر، علامہ معلی، شیخ البانی وغیرہ، لہذا مقالہ نگار کا امام خلیلی کے قول کے رد میں ان سے سلمیٰ کی تضعیف نقل کرنا نہایت تعجب خیز ہے، لہذا مقالہ نگار کو امام خلیلی کے قول کے رد میں ان ائمہ کرام سے اقوال التضعیف نقل کرنے چاہیے تھے جو امام خلیلی کے ہم عصر تھے، امام خلیلی سے متاخر طبقہ کے اقوال التضعیف نقل کر کے آخر کس طرح اس کے قول کو رد کیا جاسکتا ہے؟ یقیناً یہ خود ایک

حیثیت نہیں، اور نہ ہی وہ اس قابل ہیں کہ ان کا یہ قول مسوع ہو۔
امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) کی توثیق:
امام بیہقی، رحمہ اللہ ان کے طریق سے مروی احادیث کی تصحیح
و تحسین کرتے نظر آتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:
فرماتے ہیں:

۱۔ وهذا فيما أنبأني أبو عبد الرحمن السلمي أن أبا
محمد عبد الله بن محمد بن زياد أخبره عن محمد بن
إسحاق بن خزيمة، ثنا بندار، ثنا أبو عامر، ثنا المغيرة بن
عبد الرحمن، عن أبي الزناد، قال ابن خزيمة: وأبنا
الربيع بن سليمان، أبنا ابن وهب، أخبرني ابن أبي الزناد،
عن أبيه، فذكره. وهذا إسناد صحيح (بيان خطأ من أخطأ
على الشافعي للبيهقي: ص: ۲۶۳)

۲۔ فأخبرنا أبو عبد الرحمن السلمي، من أصل كتابه
حدثنا أبو علي الحسين بن علي الحافظ، أخبرنا أبو عبد
الرحمن النسائي، حدثنا الحسين بن عيسى البسطامي،
حدثنا سلم بن قتيبة، حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أنس
قال: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِي إصْبَعِهِ الْيَسْرَى هَذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ (الجامع في الخاتم
للبيهقي: ص: ۳۵)

امام بیہقی، امام ابو عبد الرحمن السلمي کی روایات کو اسناد صحیح کہہ
رہے ہیں، حدیث کی تصحیح و تحسین رواۃ کی توثیق کو مستلزم ہے،
کمالاً مستحقی۔۔۔ لہذا سلمي امام بیہقی کے نزدیک ثقہ ہوا۔

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) کی توثیق:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

(۱۲۵۷) أخبرنا محمد بن علي بن الحسن بن علي
أبو الفضل بن أبي القاسم العلوي بقراءة في جامع
نيسابور قال ابنا جدي لأمي أبو علي الحسن بن

ابو عبد الرحمن السلمي کی ثقاہت مزید آشکارا ہوگی اور ساتھ ہی مقالہ
نگار کے جمہوری دعویٰ کی پول کھل جائے گی۔ ملاحظہ کریں:

امام ابوسعید محمد بن علی النیسابوری الخشاب (المتوفی: ۴۵۶ھ)
کی توثیق:

امام ابوسعید محمد بن علی النیسابوری الخشاب (المتوفی: ۴۵۶ھ)
جو امام سلمي کے خاص خادم تھے، حافظ ذہبی اسے ”وعنی
بهذا الشأن“ سے متصف کرتے ہیں، جنہوں نے امام سلمي کے
احوال ایک جزء میں قلم بند کیے تھے، کہتے ہیں: ”كان مرضيا
عند الخاص والعام والموافق والمخالف، والسلطان
والرعية، في بلده وفي سائر بلاد المسلمين ومضى الى
الله كذا لك، وحبب تصانيفه الى الناس، وبيعت باغلي
الاثمان...“ (السير: ۲۴۸/۱)

اسی طرح کہتے ہیں: ”وكانت تصانيفه مقبولة“۔ اسکی
تصانیف کو قبولیت حاصل تھی۔ (ایضاً: ۲۴۷/۱)
محدث خشاب کے ان الفاظ میں ان کے شیخ سلمي کی عدالت
مذکور ہے، اور وہ ان کے نزدیک عادل اور ثقہ ہیں، اس لیے تو اسکی
تصانیف کو قبولیت حاصل تھی، ورنہ اگر وہ کذاب اور ضعیف ہوتا تو
قبولیت کہاں؟

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) کی توثیق:
محمد بن یوسف القطان نے جب سلمي پر وضع حدیث کی جرح
کی، تو خطیب بغدادی اس پر تعلیق لگاتے ہوئے کہتے ہیں: ”
قدر ابی عبد الرحمن السلمي عند اهل بلده جليل،
ومحله في طائفته كبير، وقد كان مع ذالك صاحب
حديث مجودا، جمع شيوخا وتراجموا ابوابا ونيسابور
له دويرة معروفة به، يسكنها الصوفية قد دخلتها“۔
(تاریخ بغداد: ۴۲۳/۱)

گویا ان کے نزدیک محمد بن یوسف القطان کے اس قول کی

قال: حدثنا أبو بكر بن عياش، عن الأعمش، عن أبي سفيان، عن جابر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل موته بثلاث يقول: ”أحسنوا الظن بالله عز وجل“. هذا حديث صحيح من العوالی۔ (تاریخ الإسلام بشار: ۸۱۶/۱)

امام ذہبی نے دوسرے مقام پر جو تضعیف کی ہے اس سے معمولی ضعف مراد ہے کیونکہ وہ اس کی روایت کی تصحیح بھی کر رہے ہیں، اور عام تضعیف مان لیں تو پھر اس تصحیح کے معارض ہونے کے سبب غیر مسموع ہے۔

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ذہبی کا قول ان کی تصحیح کے معارض ہے۔ ”واذا تعارضنا تساقطاً“۔ (القول المتین: ص: ۳۰)

امام ابو عبد الرحمن السلمی پر جرح سے متعلق پیش کردہ اقوال کا جائزہ:

(محدثین کرام کی شدید جرح) یہ عنوان قائم کر کے محمد بن یوسف القطان النیسابوری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر، علامہ عبد الرؤف المناوی، علامہ معلی، شیخ ارشاد الحق اثری سے سلمی کے متعلق جروح نقل کی ہیں۔

محترم قارئین! مقالہ نگار نے عنوان شدید جروح کا رقم فرمایا ہے، کہ اس کے تحت سلمی پر شدید جروح مذکور ہو گئی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اول تو بعض جروح سرے سے شدید ہی نہیں، دوسرا اس پر جو شدید جرح کی گئی ہے وہ ثابت نہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی جرح کی حقیقت:

انہوں نے امام ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ: ”وقد تكلم اهل المعرفة في نفس رواية ابي عبد الرحمن“ محدثین نے ابو عبد الرحمن سلمی کی روایت میں جرح کی ہے۔ (مجموع الفتاوی: ۲۳۳/۱۳)

اولاً:

إسماعيل بن صاعد قراءة عليه قال ثنا أبو عبد الرحمن محمد بن الحسين بن موسى السلمی ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب أبنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم ثنا أنس بن عياض عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال تحروا ليلة القدر في العشر الأواخر من رمضان. هذا حديث صحيح۔ (معجم ابن عساکر: ۹۷۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کی توثیق: امام ابو عبد الرحمن السلمی سے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وهو في نفسه رجل من أهل الخير والدين والصلاح والفضل. وما يرويه من الآثار فيه من الصحيح شيء كثير. ويروى أحياناً أخباراً ضعيفة بل موضوعة. يعلم العلماء أنها كذب.... فالذي جمعه (الشيخ ابو عبد الرحمن السلمی) ونحوه في ”تاريخ اهل الصفة“ واخبار زهاد السلف وطبقات الصوفية، يستفاد منه فوائد جلية، ويتجنب منه ما فيه من الروايات الباطلة، ويتوقف فيما فيه من الروايات الضعيفة“۔ (مجموع فتاوی: ۳۲۱/۱۱-۳۳)

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) کی توثیق:

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

حدثنا أحمد بن إسحاق بمصر، قال: أخبرنا عمر بن كرم ببغداد، قال: أخبرنا عبد الأول بن عيسى، قال: أخبرنا عبد الوهاب بن أحمد الثقفي من لفظه سنة سبعين وأربعمائة، قال: حدثنا أبو عبد الرحمن محمد بن حسين السلمی إملاء، قال: حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، قال: حدثنا أحمد بن عبد الجبار العطاردي،

الوہم، وکان اذاحدث عنه يقول: حدثني ابو عبد الرحمن السلمي من اصل كتابه۔“ (اللسان ۹۲/۷: بحوالہ التحف المرتقى (ص: ۳۳۴)

یاد رہے مؤسسۃ العلمی سے مطبوع اللسان (۱۳۱/۵) میں یہ قول امام بیہقی کے بجائے امام سراج کی طرف منسوب ہو گیا ہے، جو کہ وہم معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محترم قارئین! ابن حجر کے اس قول سے صراحت ہو گئی کہ امام بیہقی کے نزدیک امام سلمی کی عدالت پر کوئی حرف نہیں، بلکہ اسے وہم کی طرف منسوب کیا ہے، اور امام بیہقی نے جس وہم کی بات کی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ وہم ہے، اور اسے روایات میں وہم ہوتا رہتا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کتاب کا اس نے سماع نہیں کیا ہوتا، اس میں وہ سماع کا کہہ دیتا ہے، اصل میں محمد بن یوسف نے اس پر یہ بھی الزام عائد کر دیا ہے کہ سلمی نے اصم سے بہت تھوڑا سماع کیا ہے، جب امام حاکم فوت ہو گئے تو پھر اصم سے ”تاریخ بیہقی بن معین“ اور اسکے علاوہ اور بھی بہت کچھ روایت کرنے لگ گئے، ابن حجر نے القطان کا یہی قول نقل کر کے اس کے عقب میں امام بیہقی کا مذکورہ قول ذکر کر دیا، کہ القطان تو اسے جان بوجھ کر ایسا (روایت) کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، جبکہ امام بیہقی اسے جان بوجھ کر نہیں بلکہ اسکے وہم پر مجبور کر رہے ہیں، اسی بات کو ابن تیمیہ نے بھی اچھی طرح واضح کر دیا ہے، لکھتے ہیں: ”وقد تکلم بعض حفاظ الحديث في سماعه، و كان البيهقي اذا روى عنه يقول: حدثنا ابو عبد الرحمن من اصل سماعه، وما يظن به وبامثاله ان شاء الله تعمد الكذب، لكن لعدم الحفظ والاتقان في الرواية؛ فان النساك والعباد منهم من هو متقن في الحديث، مثل ثابت البناني، والفضيل بن عياض، وامثالهما ومنهم من قد يقع في بعض حديثه

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قول میں مذکور جارحین نامعلوم اور جرح غیر مفسر ہے، جب جارحین کے نامعلوم ہونے کے ساتھ ساتھ جرح بھی غیر مفسر ہے، تو یہ جرح شدید کہاں سے بن گئی؟ اس قول میں انہیں ایسے کون سے الفاظ نظر آ گئے جنہیں وہ جرح شدید سے تعبیر کر رہے ہیں؟

ثانیاً:

مقالہ نگار نے شیخ الاسلام کا مکمل کلام نقل نہیں کیا، حالانکہ انہیں انکا پورا کلام ذکر کرنا چاہیے تھا، مکمل کلام اس طرح ہے۔ ”وقد تکلم اهل المعرفة في نفس رواية ابي عبد الرحمن، حتى كان البيهقي اذاحدث عنه يقول: حدثنا من اصل سماعه“

شیخ الاسلام یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اہل معرفت نے ابو عبد الرحمن کی روایت میں کلام کیا ہے، یہاں تک کہ امام بیہقی بھی جب اس سے حدیث بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں: اس نے ہم سے حدیث بیان کی اسکے اصل سماع سے، گویا اس کا مطلب یہ بنا کہ ابو عبد الرحمن سلمی کی روایت میں کلام ہے، اب یہ وضاحت نہیں کی کہ اس کی روایت میں اہل معرفت نے کس وجہ سے کلام کیا ہے، لیکن امام بیہقی کی جب بات کی تو کہا کہ وہ اسکے سماع کی اصل سے روایت کرتے تھے، یعنی اس سے اس کی روایت کو درست سمجھتے تھے، گویا شیخ الاسلام کی اس بات کو مانا جائے تو اس اعتبار سے بھی امام بیہقی کے نزدیک وہ شدید الضعف نہیں بنتے، اگر امام بیہقی کے نزدیک اس کی عدالت میں کلام ہوتا تو اس کی کتاب سے روایت کو کیسے درست سمجھتے، شدید الضعف راوی ہر اعتبار سے مردود الروایہ ہوتا ہے، حفظ اور کتاب ہر دونوں اعتبار سے وہ ساقط الاعتبار ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بیہقی سے یہی الفاظ کچھ اضافہ کے ساتھ نقل کیے ہیں، جو کہ یہ ہیں: ”مثله ان شاء الله لا يعتمد، ونسبه الى

فرماتے ہیں: ”وہو فی نفسه رجل من أهل الخير والدين والصلاح والفضل. وما يرويه من الآثار فيه من الصحيح شيء كثير. ويروى أحياناً أخباراً ضعيفة بل موضوعة. يعلم العلماء أنها كذب.... فالذى جمعه (الشيخ ابو عبد الرحمن السلمی) ونحوہ فی ”تاریخ اہل الصفة“ و اخبار زہاد السلف وطبقات الصوفیة، يستفاد منه فوائد جلیلة، ویتجنب منه ما فیہ من الروایات الباطلة، ویتوقف فیما فیہ من الروایات الضعیفة“۔ (مجموع فتاویٰ: ۱۱/۴۲-۴۳)





دنیا کی حقیقت اور آخرت کا مقام

ابوالبیان رفعت سلفی

کافروں اور منافقوں کا اخروی انجام جہنم کے سوا کچھ نہیں:
ارشاد ربانی ہے: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾۔ ”میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں

گا، یہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔“ (سورۃ البقرہ: ۱۲۶)

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُطَمِّلِي لَهُمْ خَيْرَ لَأَنفُسِهِمْ إِنَّمَا نُطَمِّلِي لَهُمْ لِيُزَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ”کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، یہ مہلت تو اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں، ان ہی کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔“

(سورۃ آل عمران: ۱۷۸)

مزید ارشاد ربانی ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ﴾ ”اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں، ان کا (اصل) ٹھکانہ جہنم ہے۔“ (سورۃ محمد: ۱۲)

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ﴾ ”اور جس دن کافر جہنم کے سرے پر لائے جائیں گے (کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں اور ان سے فائدے اٹھا چکے، پس آج

زندگی کاٹ کے دنیا سے سفر کرنا ہے

تم مسافر ہو وطن اس کو سمجھتے کیوں ہو؟

مال و اسباب گھرو، در سے بچھڑنا ہوگا

پھر تم اس دنیا کے گھر بار پہ مرتے کیوں ہو؟

قارئین کرام! ابتدائے آفرینش سے اس روئے زمین پر انسان پیدا ہوتے ہیں، اور اپنی حیات مستعار گزار کر اس دار فانی سے کوچ کر جاتے ہیں خواہ کسی بھی دین دھرم اور مذہب و شریعت کے ماننے والے ہوں مگر انجام آخرت کے اعتبار سے کائنات کے تمام انسانوں کی صرف تین ہی قسمیں ہیں (۱) مومن و مسلمان (۲) کافر (۳) منافق

رہے مومن و مسلمان تو صرف یہی لوگ حقیقی معنوں میں سعادت دارین کے مستحق ہیں جو دنیا میں خالص اللہ کی بندگی کرتے ہیں، کائنات کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں، اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، اللہ وحدہ لا شریک لہ کے ذکر سے ان کی زبانیں ہمیشہ تر رہتی ہیں، جس کے بدلے اخروی زندگی میں جنت کی لازوال نعمتیں اور پروردگار کی بے پایاں عنایتیں اور بخششیں ان کے انتظار میں بے قرار ہیں۔

کافروں اور منافقوں کو اگر کچھ نفع و لذت حاصل ہے تو صرف اسی دار فانی میں، آخرت میں ان کے لئے بے حساب رسوا کن عذاب اور ناقابل برداشت تکلیفوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس باعث کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس باعث بھی کہ تم حکم عدولی کیا کرتے تھے۔ (سورۃ الاحقاف: ۲۰)

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ﴾ ”بیشک کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے چھڑانے میں کچھ کام نہ آئیں گی، یہ تو جہنم کا ایندھن ہی ہیں۔“ (سورۃ آل عمران: ۱۰)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمان الہی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ ”جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔“ (سورۃ النساء: ۵۶)

﴿فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ ”پس کافروں کے لئے تو آگ کے کپڑے بنوت کر کاٹے جائیں گے، اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا۔ جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی۔ اور ان کی سزا کے لئے لوہے کے تھوڑے ہیں۔ یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يَغْفَلَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَلَوْ أَفْتَدَىٰ بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ ”جو لوگ کفر کریں اور

مرتے دم تک کافر رہیں ان میں سے کوئی اگر زمین بھر سونا دے، گونڈیے میں ہی ہو تو بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے تکلیف دینے والا عذاب ہے اور جن کا کوئی مددگار نہیں۔“ (سورۃ آل عمران: ۹۱)

مومن و مسلمان لوگ قیامت کے دن امن و امان کے ساتھ آئیں گے:

ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخَفُونَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ”بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں وہ (کچھ) ہم سے مخفی نہیں، (بتلاؤ تو) جو آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ جو امن و امان کے ساتھ قیامت کے دن آئے؟ تم جو چاہو کرتے چلے جاؤ وہ تمہارا سب کیا کرایا دیکھ رہا ہے۔“ (سورۃ فصلت: ۴۰)

مومن و مسلمان لوگ بروز قیامت اللہ کی جنت میں داخل ہوں گے جو بالخصوص اہل ایمان اور اہل تقویٰ کے لئے تیار کی گئی ہے:

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب کبھی وہ پھلوں کا رزق دیئے جائیں گے اور ہم شکل دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہیں اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“ (سورۃ البقرہ: ۲۵)

﴿إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَحْلَوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

وَلَوْلَا اَوْلِيَا سُنْهُمْ فِيْهَا خَيْرٌ۔ وَهٰذُو اِلٰى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهٰذُو اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۱﴾ ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں وہ سونے کے لنگن پہنائے جائیں گے اور سچے موتی بھی۔ وہاں ان کا لباس خالص ریشم ہوگا۔ ان کو پاکیزہ بات کی رہنمائی کر دی گئی اور قابل صد تعریف راہ کی ہدایت کر دی گئی۔ (سورۃ الحج: ۲۳، ۲۴)

قارئین کرام! اللہ اس جنت کی مثال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيْهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءُهُمْ﴾ ”اس جنت کی صفت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدبو کرنے والا نہیں، اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ نہیں بدلا اور شراب کی نہریں ہیں جن میں پینے والوں کے لئے بڑی لذت ہے اور شہد کی نہریں ہیں جو بہت صاف ہیں اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے، کیا یہ مثل اس کے ہیں جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے؟ اور جنہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کلڑے کلڑے کر دے گا۔ (سورۃ محمد: ۱۵، ۱۶)

فرمان الہی ہے: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِيْ جَنَّاتٍ وَنَعِيْمٍ۔ فَكِهِمْ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۔ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ مَتَّكِيْنَ عَلَى سُرُرٍ مَّضْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِخُورٍ عِيْنٍ﴾ ”یقیناً پرہیزگار لوگ جنتوں میں اور نعمتوں میں ہیں۔ جو انہیں ان کے رب نے دے رکھی ہیں اس پر خوش خوش ہیں، اور ان کے پروردگار نے انہیں جہنم کے عذاب سے بھی بچا لیا ہے۔ تم مزے سے کھاتے پیتے

رہو ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔ برابر بچھے ہوئے شاندار تختے پر نیکے لگائے ہوئے۔ اور ہم نے ان کا نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی (حوروں) سے کر دیا ہے۔ (سورۃ الطور: ۷۱ تا ۷۰)

مزید ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِيْ مَقَامٍ أَمِيْنٍ۔ فِيْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ۔ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ۔ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِخُورٍ عِيْنٍ۔ يَدْخُلُونَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِيْنِينَ۔ لَا يَذُوقُونَ فِيْهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُولٰى وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ﴾ ”بیٹھ (اللہ سے) ڈرنے والے امن چین کی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ باریک اور دیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ اسی طرح ہے اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔ دل جمعی کے ساتھ وہاں ہر طرح کے میوؤں کی فرمائشیں کرتے ہوں گے۔ وہاں وہ موت نہیں چکھیں گے ہاں پہلی موت (جو وہ مر چکے)، انہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا سے بچا دیا۔ (سورۃ الدخان: ۵۱ تا ۵۶)

دنیا آخرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی: اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا الْحَيٰةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلْآٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُونَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ اور دنیاوی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو و لعب کے۔ اور دار آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔ (آل عمران: ۳۲)

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِيُبَوِّئَهُمْ سَفٰتًا مِنْ فِصْةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ۔ وَلِيُبَوِّئَهُمْ اَبْوَابًا وَسُرَرًا عَلَيْهَا يَتَكَبَّرُوْنَ۔ وَزُخْرًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰةِ الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ”اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے تو رُحمن کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو ہم چاندی کی بنادیتے۔ اور

زینوں کو (بھی) جن پر چڑھا کرتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے۔ اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ یونہی سادہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے اور آخرت تو آپ کے رب کے نزدیک (صرف) پرہیزگاروں کے لیے (ہی) ہے۔“ (سورۃ الزخرف: ۳۵، ۳۶)

عن مسثور بن شداد: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”وَاللَّهُ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِضْبَعَهُ هَذِهِ“، وَأَشَارَ يَحْيَى بِالسَّبَابَةِ فِي النَّبِيِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَنْ تَزْجَعُ۔ مسثور بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے سامنے ایسی ہے جیسے کوئی تم میں سے یہ انگلی ڈالے اور یحییٰ نے شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا سمندر میں، پھر دیکھے وہ کتنا پانی سمندر سے لاتی ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۵۸)

قارئین کرام! مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ سمندر میں انگلی ڈال کر نکالنے کے بعد جتنا پانی انگلی میں لگا رہتا ہے وہ گویا دنیا ہے اور وہ سمندر آخرت ہے، یہ نسبت دنیا کو آخرت سے ہے، اور چونکہ دنیا فانی ہے اور آخرت دائمی باقی ہے اس واسطے اس سے بھی کم ہے۔

دنیا اللہ کے نزدیک بکری کے مرے ہوئے چھوٹوں کا نوں والے بچے سے بھی زیادہ حقیر ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالسُّوقِ، دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ، وَالنَّاسُ كَتَفَتْهُ، فَمَرَّ بِجَذِيٍّ أَسْكَمَ مَيْتٍ، فَتَنَّاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ، ثُمَّ قَالَ: أَتَيْكُمْ يُحِبُّ أَنْ هَذَا لَهُ بِدَرِّ هَمٍّ؟ فَقَالُوا: مَا نَحْبُ أَنْ لَنَا بِشَيْءٍ، وَمَا نَصْنَعُ بِهِ؟ قَالَ: أَتَحِبُّونَ أَنْ لَكُمْ؟ قَالُوا: وَاللَّهِ لَوْ كَانَ حَيًّا، كَانَ غَنِيًّا فِيهِ، لِأَنَّهُ أَسْكَمٌ، فَكَيْفَ وَهُوَ مَيْتٌ؟ فَقَالَ: فَوَاللَّهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ بازار میں سے

گزرے، آپ ﷺ مدینہ میں آرہے تھے کسی عالیہ کی طرف سے (عالیہ وہ گاؤں ہیں جو مدینہ کے باہر بلندی پر واقع ہیں) اور لوگ آپ ﷺ کے ایک طرف یا دونوں طرف تھے۔ آپ ﷺ نے ایک بھیڑ کا بچہ چھوٹے کان والا مردہ دیکھا، اس کا کان پکڑا پھر فرمایا: ”تم میں سے کون یہ لے گا ایک درہم کے بدلے؟“ لوگوں نے عرض کیا: ہم کسی قیمت میں بھی اس کو لینا نہیں چاہتے (یعنی کسی چیز کے بدلے) اور ہم اس کا کیا کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم چاہتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے؟“ لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی اس میں عیب تھا کہ کان اس کے بہت چھوٹے ہیں پھر مرنے پر اس کو کون لے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! دنیا اللہ جل جلالہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جتنا یہ تمہارے نزدیک ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۹۵۷)

دنیا اللہ کے نزدیک چھھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرٌ مِنْهَا شَرْبَةً مَاءٍ“۔ ”سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت اگر ایک چھھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔“ (سنن الترمذی: ۲۳۲۰، وصححه الالبانی)

دنیا میں مومن کی مثال سایہ دار درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے والے مسافر کی سی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: ”نَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَصِيرٍ، فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَوْ اتَّخَذْنَا لَكَ وَطَاءً، فَقَالَ: ”مَا لِي وَمَا لِلدُّنْيَا مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ

وَالْحَيْلِ الْمُسَوِّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخَرْبِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاَبِ قُلْ أُوْتِيْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَلِكَ لِكُمُ اللَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصَصِيرٍ بِالْعِبَادِ ﴿۱۳﴾ ”مرغوب چیزوں کی محبت لوگوں کے لئے مزین کر دی گئی ہے، جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشاندار گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور لوٹنے کا اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ آپ کہہ دیجئے! کیا میں تمہیں اس سے بہت ہی بہتر چیز بتاؤں؟ تقویٰ والوں کے لئے ان کے رب تعالیٰ کے پاس جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، سب بندے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔“ (سورۃ آل عمران: ۱۵، ۱۴)

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَتْ الْأَنْصَارُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَقُولُ: نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا حَيَّنَا أَبَدًا فَأَجَابَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ فَاتَّخِذُوا الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ ”اُنس رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ انصار خندق کھودتے ہوئے (غزوہ خندق کے موقع پر) کہتے تھے ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جہاد پر بیعت کی ہے، جب تک ہمارے جسم میں جان ہے۔“ تو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے جواب میں فرماتے: اے اللہ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے، پس تو انصار اور مہاجرین کو عزت عطا فرما۔“ (صحیح بخاری ۲۹۶۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”يُؤْتَى بِأَنْعَامِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُضْبَعُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ آدَمَ: هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَبَكْ نَعِيمٌ قَطُّ؟“ فَيَقُولُ: لَا وَاللَّهِ يَارَبِّ، وَيُؤْتَى

وَتُرَكِّهَا۔“ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سو گئے، نیند سے بیدار ہوئے تو آپ کے پہلو پر چٹائی کا نشان پڑ گیا تھا، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم آپ کے لیے ایک بچھونا بنا دیں تو بہتر ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے دنیا سے کیا مطلب ہے، میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سوار ہو جو ایک درخت کے نیچے سایہ حاصل کرنے کے لیے بیٹھے، پھر وہاں سے کوچ کر جائے اور درخت کو اسی جگہ چھوڑ دے۔“ (سنن الترمذی: ۲۳۷۷، وصححه الالبانی)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: ”أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِي، فَقَالَ: ”كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ، وَعَدَّ نَفْسَكَ فِي أَهْلِ الْقُبُورِ“، فَقَالَ لِي ابْنُ عُمَرَ: إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ، وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالصَّبَاحِ، وَخُذْ مِنْ صَبْحَتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي يَا عَبْدَ اللَّهِ مَا اسْمُكَ غَدًا۔“ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بدن کے بعض حصے کو پکڑ کر فرمایا: ”تم دنیا میں ایسے رہو گویا تم ایک مسافر یا راہ گیر ہو، اور اپنا شمار قبر والوں میں کرو۔“ مجاہد کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: جب تم صبح کرو تو شام کا یقین مت رکھو اور جب شام کرو تو صبح کا یقین نہ رکھو، اور بیماری سے قبل صحت و تندرستی کی حالت میں اور موت سے قبل زندگی کی حالت میں کچھ کر لو اس لیے کہ اللہ کے بندے! تمہیں نہیں معلوم کہ کل تمہارا نام کیا ہوگا۔ (سنن ترمذی: ۲۳۳۳، وصححه الالبانی)

اصل زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے:

ارشاد ربانی ہے: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

(صحیح مسلم: ۲۹۵۶)

سوال: یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ کیوں؟

اس لئے کہ جس طرح قیدی قید خانہ کو ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے، کبھی اسے الفت و چاہت کی نظر سے نہیں دیکھتا، بالکل اسی طرح مومن بھی دنیا کو کبھی محبت و چاہت کی نظر سے نہیں دیکھتا، نہ ہی آخرت کے مقابلے میں اسے کوئی مقام ہی دیتا ہے، بلکہ ہمیشہ دنیا کی رنگینیوں، دلفریبیوں، اور رعنائیوں کے جادو سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کرتا ہے، ہر ہر قدم پر جنت جیسی بے مثال اور لازوال منزل کو حاصل کرنے اور جہنم جیسے دردناک عذاب سے بچنے کے لئے پوری تنگ و دو کرتا ہے۔

جس طرح عقلمند قیدی قید خانہ میں اپنے نفس کی اصلاح کر لیتا ہے تاکہ اس کی مدت قید میں مزید اضافہ نہ کر دیا جائے، یا رہائی کے بعد پھر کسی دوسرے قید خانہ کا منہ نہ دیکھنا پڑے، اسی طرح بندہ مومن دنیا میں تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی گزارتا ہے تاکہ دنیا سے کوچ کرنے کے بعد ہمیشہ ہمیش کی اخروی زندگی میں وہ عذاب جہنم سے دوچار ہونے کے بجائے اللہ کی خوشنودی، آنکھوں کی ٹھنڈک، اور جنت کی لازوال نعمتوں کا مستحق قرار پائے۔

جس طرح عقلمند قیدی قید خانہ میں اپنے گزشتہ جرائم کو یاد کر کے روتا اور افسوس کرتا ہے بالکل اسی طرح بندہ مومن دنیا کی زندگی میں رب کریم کے حضور اشک ندامت بہاتا اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کی بخشش طلب کرتا ہے۔

آخر میں دعا گو ہوں کہ رب العالمین ہمیں اس دار فانی کو قید خانہ سمجھتے ہوئے اپنی اخروی زندگی کی بھرپور تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور مرنے کے بعد قبر، قیامت، میزان اور پل صراط جیسے مشکل و کٹھن مراحل کو آسان فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور عذاب جہنم سے مکمل آزادی نصیب فرمائے۔ آمین

بِأَشَدِّ النَّاسِ يُؤْمِنُ فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيُضْبَعُ ضَبْعَةً فِي الْجَنَّةِ، فَيَقَالُ لَهُ يَا ابْنَ آدَمَ: هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا وَاللَّهِ يَارَبِّ مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ۔“ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اہل دوزخ میں سے ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا داروں میں آسودہ تر اور خوش عیش تھا اور دوزخ میں اسے ایک بار غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے آدم کے بیٹے! کیا تو نے کبھی دنیا میں آرام دیکھا تھا؟ کیا تجھ پر کبھی چین بھی گزرا تھا؟ تو وہ کہے گا: اللہ کی قسم! کبھی نہیں اے میرے رب! اور اہل جنت میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب لوگوں سے زیادہ سخت تکلیف میں رہا ہوگا تو اسے جنت میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا اے آدم کے بیٹے! تو نے کبھی تکلیف بھی دیکھی ہے؟ کیا تجھ پر شدت اور رنج بھی گزرا تھا؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! مجھ پر تو کبھی تکلیف نہیں گزری اور میں نے تو کبھی شدت اور سختی نہیں دیکھی۔“ (صحیح مسلم: ۲۸۰۷)

دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے:

﴿زَيْنٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب مزین کر دی گئی ہے، وہ ایمان والوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں، حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔“ (سورۃ البقرہ: ۲۱۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ“۔“ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔“

اخلاص نیت: اہمیت اور ضرورت

جمیل احمد ضمیر، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

ہے تو اس کی یہ ہجرت اللہ کے راستہ میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول اور بندہ کے لئے ثواب کا باعث ہے۔

اس کے برعکس ایک دوسرا شخص ہے جو کسی عورت سے شادی رچانے کی لالچ یا کسی اور دنیوی غرض و غایت کے پیش نظر ہجرت کرتا ہے، اس کا مقصد رب تعالیٰ کی خوشنودی و رضا جوئی نہیں ہوتی تو ایسا شخص ثواب سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کا یہ عمل اللہ کے یہاں بے وقعت قرار پاتا ہے۔

ذرا غور کریں کہ ایک ہی عمل محض اختلاف نیت کی وجہ سے کس طرح الگ الگ رخ اختیار کر لیتا ہے؟ امام ابن القیم فرماتے ہیں کہ: اعمال میں فرق مراتب ان کے اعداد و شمار اور اشکال و صورت کی بنیاد پر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق محض دل کی کیفیت اور اندرونی جذبے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ دو عمل ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں لیکن ان کے درمیان آسمان و زمین کا تفاوت ہوتا ہے اور دو لوگ نماز کے لئے صف میں ایک ہی جگہ کھڑے ہوتے ہیں لیکن ان دونوں کی نمازوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے۔ (ملاحظہ کریں: مدارج السالکین: ۱/۳۴۰)

اخلاص نیت درحقیقت نفس اتارہ کی بدعنوانیوں، عمل میں در آئے شیطانی وسوسوں نیز دنیوی اغراض و شوائب اور نفسانی خواہشات و مفادات سے دل کو یکسر خالی رکھنے کا دوسرا نام ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی بہادری کے جوہر دکھانے

نیت ہر شرعی عمل کی صحت و درستگی اور عند اللہ اس کے مقبول و باعث ثواب ہونے کا ایک باطنی معیار ہے۔ لہذا کسی بھی عمل کے صحیح ہونے کیلئے نیت کی اصلاح اور درستگی اولین شرط ہے۔ اسی طرح اس عمل پر اجر و ثواب کا حصول بنیادی طور پر اخلاص نیت ہی پر موقوف ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى...“۔ ”اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی“۔ (صحیح بخاری: حدیث نمبر: ۱)

نیت کی اس قدر اہمیت اس لئے ہے کیونکہ بندہ کا عمل یا تو دل سے انجام پاتا ہے، یا زبان سے، یا دیگر اعضاء و جوارح سے اور نیت کا تعلق دل سے ہے۔ مزید برآں کسی نیک عمل کی نیت کرنا مستقل ایک عبادت ہے جبکہ نیت سے خالی قول و فعل بذات خود عبادت نہیں، لہذا اس اعتبار سے نیت کو مزید ترجیح حاصل ہے۔

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نیت کی اسی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور ایک مثال کے ذریعہ اس بات کی وضاحت فرمائی کہ قول و عمل میں نیت کا دخل کس طرح ہوتا ہے اور وہ اس پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے ہجرت کی مثال دی کہ ایک بندہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل میں محض رب تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے بلا شریک کو خیر باد کہتا

انجام دیتے وقت رضائے الہی کا استحضار اور دل کو ریاضت و نمائش سے خالی اور اخلاص سے لبریز رکھنا کسر نفسی اور شان بے نیازی چاہتا ہے، حظوظ نفس اور ذاتی منافع و مطامع کو تیاگ دینے کا تقاضہ کرتا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ما عالجت شیئاً أشدَّ عليَّ من نيتي، أنها تَقْلِبُ عليَّ“۔ ”میں نے سب سے زیادہ دشوار نیت پر قابو کرنا پایا، کیونکہ مسلسل کوشش کے باوجود یہ بدلتی رہتی ہے“۔ (الجامع لأخلاق الراوی: ۳۱۷/۲)۔ اور بعض سلف کا کہنا ہے کہ: ”تخليص النية من فسادها أشدُّ عليَّ العاملين من طول الاجتهاد“۔ ”نیت کو خراب ہونے سے بچنا عمل کرنے والوں کے لئے عمل کی طویل محنت و مشقت سے زیادہ شاق اور دشوار ہے“۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ عمل میں نیت کس طرح ہو؟ تو انہوں فرمایا: ”يعاليج نفسه، إذا أراد عملاً، لا يريد به الناس“۔ (جامع العلوم والحکم: ۶۱/۱)۔ بندہ اپنے نفس پر غالب آنے کی کوشش کرے چنانچہ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرے تو اسے لوگوں کے لئے نہ کرے۔ یعنی اس کا مقصد ریاء و دکھاوا اور لوگوں سے داد و دہش کی طلب نہ ہو۔

قرن اولی کے نفوس قدسیہ کے یہاں یہی جذبہ اخلاص کا رفرما تھا جس کی وجہ سے ان کی گردنیں نفس کی چوٹ پر کبھی نہیں جھکیں اور نہ ہی ان کی نگاہیں دنیا کی چکاچوند سے کبھی خیرہ ہوئیں، یہی وجہ ہے کہ یہ اقلیم خلوص کے شہر یار اور کاروان زہد و اتقاء کے سالار جدھر بھی گئے کامیابیاں ان کے ہمرکاب گئیں اور جہاں سے بھی گزرے انسانیت کے لازوال موتی بکھیرتے ہوئے اور خلوص و للہیت کے امنٹ نقوش چھوڑتے ہوئے گزرے۔ طوق و سلاسل کا سامنا ہوا، دار و رسن کا مرحلہ بھی آیا، راستے میں شعلوں اور کانٹوں نے دامن اخلاص کو تار تار کرنے کی کوشش کی پھر بھی وہ اخلاص کے پیکر مجسم اور مضبوط چٹان بنے

کے لئے، دوسرا خاندانی یا قبائلی حمیت و غیرت کے لئے اور ایک تیسرا ریاکاری کے لئے لڑتا ہے۔

ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص صرف اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہے۔“ (متفق علیہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۵۸، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۹۰۳)۔

اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے: کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ایک آدمی مال غنیمت کے لئے، دوسرا شہرت و ناموری کے لئے اور تیسرا اظہار شجاعت کے لئے لڑتا ہے ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے؟ تو آپ نے وہی جواب دیا۔ (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۸۱۰)۔

یعنی جو شخص اپنے تمام تر ذاتی مقاصد سے بے نیاز ہو کر محض اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے میدان جہاد میں قدم رکھتا ہے وہ حقیقی معنوں میں مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ نیت اگر دنیوی شوائب اور زمینی مفادات سے پاک اور مبرا نہ ہو تو کوئی بھی عمل خواہ کتنا عظیم ہی کیوں نہ ہو شرف قبولیت سے دور اور اجر و ثواب سے محروم رہتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں تزکیہ نفس اور اخلاص نیت کی دعوت دی گئی ہے، بدنی کی شورشوں کا علاج بتایا گیا ہے اور عمل میں درآئے شیطانی چالوں اور نفسانی خواہشوں سے نبرد آزما ہونے کی تدبیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نیز دنیاوی مقاصد اور مادی مفادات جو اخلاص نیت کی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل ہو جاتے ہیں ان سے دامن جھاڑ لینے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ مومن کے ہر عمل کے پیچھے محض رب کی خوشنودی اور اسکی رضا جوئی کا جذبہ کارفرما ہو اور اس میں کسی اور چیز کا شائبہ تک نہ ہو۔

البتہ یہ بڑا صبر آزما اور دشوار کن کام ہے۔ بڑی ریاضت اور مجاہدوں کے بعد ہی یہ پیش بہادرت ہاتھ آسکتی ہے۔ کسی عمل کو

وجہ سے ہمارے اجتماعی تانے بانے بکھرتے جا رہے ہیں اور ہماری دینی و ملی وحدت پاش پاش ہوتی جا رہی ہے۔ اور ہمارے تعلیمی و تربیتی ادارے، رفاہی و فلاحی تنظیمیں، دعوتی و اصلاحی جماعتیں اور دینی و ملی جماعتیں اندرونی سازش و بے اعتمادی کا شکار اور بدترین انتشار و خلفشار سے دوچار ہیں۔ مناصحت اور تعمیری تنقید کے بجائے تشہیر و تعزیر، طعن و تشنیع اور دل آزاری و کردار کشی ہمارا محبوب مشغلہ بن چکی ہے۔ متنازعہ مسائل کو باہمی گفت و شنید اور مفاہمت کی بنیاد پر حل کرنے کے بجائے اہانت و تضحیک اور دشنام طرازی و تہمت تراشی ہماری پہچان ہو گئی ہے۔

اخلاص کے فقدان ہی کا نتیجہ ہے کہ آج طلب علم کا مقصد تعمیر شخصیت، تزکیہ نفس، دعوت حق اور خدمت خلق کے بجائے زیادہ تر ذاتی ترقی اور مادی منفعت کا حصول ہو کر رہ گیا ہے۔

بنابریں ہمارے یہاں دلی بے تاب و چشم پُر آب ناپید اور جذب دروں و سوز فزوں معدوم ہو چکا ہے۔ ہماری روئیں مردہ اور ضمیر مرجھا چکے ہیں اور نفس کے آستانے پر ہماری حیات مجروح اپنے گھٹنے ٹیک چکی ہے۔ نیز ہماری عبادتیں روحانیت سے محروم، ہماری مناجاتیں لذت فریاد سے نا آشنا اور ہمارے سجدے بے ذوق ہو چکے ہیں۔

صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق

کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے نفس کا محاسبہ کریں، اپنے دلوں میں اخلاص پیدا کریں اور اپنے ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا شعار بنائیں کہ یہی اخلاص ہے جو ہمارے دلوں کو جلا دیتا اور ہمارے عمل کو فرش سے اٹھا کر عرش پہ لے جاتا ہے۔

*

رہے۔ اور جب باطل کے فلک بوس ایوانوں پر اپنی فتح کا پرچم لہرایا تب بھی ان کے جذبہ خلوص میں کوئی کمی نہیں آئی۔

مگر آج ہمارا حال اس کے برعکس ہے۔ ہمارے اکثر و بیشتر اعمال، خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، دکھاوے کی نذر ہو چکے ہیں، اور تھریٹِ نعمت کی آڑ میں تعالیٰ و خود ستائی، جلوہ آرائی و خود نمائی اور تفاخر و تکبر ہمارا شیوہ بن چکا ہے۔

فقدانِ اخلاص کے باعث شیطان نے ہمارے وجود کو اپنے شروفساد، مکر و عناد، دجل و فریب اور شہوات و شبہات کا نشین بنالیا ہے۔ ہمارے یہاں حق و باطل کی شناخت، غلط اور صحیح کی پہچان اور کھرے و کھولے کی تمیز کا بیانا نہ بدل گیا ہے۔ رجال و اشخاص کو ناپنے اور آنکھنے کا معیار صلاحیت و لیاقت، اخلاق و کردار، کارنامے اور کمالات کے بجائے شہرت و عوامی مقبولیت اور ڈگری و منصب ہو کر رہ گیا ہے۔ معاشرہ کے بڑے لوگوں کے یہاں افراد کی قدردانی کی بنیاد جو ہر خوبی اور ہر مندی و حسن کارکردگی کے بجائے خوش آمد و چاہلوسی اور جی حضوری و کاسہ لیس ہو گئی ہے۔

شہرت و ناموری کی ہوس، تحسین و آفریں کی خواہش، کرسی و منصب کی حرص اور کھٹکتے سکوں کی لالچ نے بے پناہ صلاحیتوں، اعلیٰ ترین لیاقتوں اور غیر معمولی ذہانتوں کو مفلوج و بے کار اور مرد بیمار بنا دیا ہے۔ نیز زبان و قلم کی رفعتوں کو داعدار اور خامہ و قرطاس کی حرمتوں کو پامال کر دیا ہے، اور تقریر و خطابت کو نفہ سرائی و سخن آرائی کا مرقع اور لذتِ سمع و تفریحِ طبع کا سامان بنا دیا ہے، اور یہ مقدس عمل زیادہ تر لطیفوں کی رنگا رنگی، کہانیوں کی بوقلمونی، زبان کے چونچلوں اور بیان کے چٹخاروں سے عبارت ہو کر رہ گیا ہے۔

اخلاص سے دوری نے ہمیں خود غرضی و مفاد پرستی اور عصبیت و گروہ بندی کے حصار میں مقید کر دیا ہے، جس کی

سیمینار

بعنوان علامہ داود راز دہلوی حیات و خدمات

رپورٹنگ: کاشف شکیل

زیر افلاک ایسی شخصیتیں بہت کم رونما ہوئی ہیں جن کے ذکر جمیل کو عمر دوام حاصل ہو، انہیں نادرا و نادر وجود شخصیتوں میں سے شارح بخاری علامہ داود راز کی شخصیت عالی مرتبت بھی ہے جنہوں نے اپنے کارناموں کے ذریعے کاکل گیتی کو مشک بار کر دیا، ان کی عظیم دینی و علمی خدمات متلاشیان حق کے لیے قابل تقلید ہیں، آپ کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو عوام تک پہنچانے اور آپ کی خدمات سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے ”جامع مسجد اہل حدیث مومن پورہ ممبئی“ نے ایک عظیم سیمینار بعنوان ”علامہ داود راز دہلوی: حیات و خدمات“ منعقد کیا، علامہ راز نے مسجد اہل حدیث مومن پورہ میں ایک عرصہ امام و خطیب کی حیثیت سے زندگی گزاری، لہذا مسجد کی منظمہ کمیٹی کا یہ اقدام جہاں ان کی اسلاف سے وابستگی کا واضح ثبوت ہے وہیں علامہ راز کی قدر شناسی اور اعتراف خدمات کا عظیم ذریعہ بھی ہے، یہ سیمینار 7 جنوری 2018ء مومن پورہ ممبئی میں منعقد ہوا، کانفرنس کے کنوینر اور روح رواں فضیلۃ الشیخ عبد الجلیل بنی انصاری حفظہ اللہ تھے، جن کی بے پایاں کاوشوں اور انتھک کوششوں کے ثمرے میں علامہ داود راز کی شخصیت پر اساطین علم و فن کے مقالے زیر تحریر آئے، جزاہ اللہ احسن الجوا۔

سیمینار فضیلۃ الشیخ مفتی ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی کی زیر صدارت اور مولانا رضاء اللہ عبد الکریم مدنی کی زیر نظامت منعقد ہوا، سیمینار کے مہمان خصوصی برطانیہ سے تشریف لائے ہوئے محسن جماعت مولانا شیر خان جمیل احمد عمری تھے، تلاوت اور نظم کے بعد مولانا عبد الجلیل انصاری مکی نے شاندار استقبال پیش کیا، جس میں مہمانوں کا استقبال، منتظمین کی کوششوں کی سراہنا اور سیمینار کی افادیت بیان کی اور مولانا رضاء اللہ عبد الکریم مدنی نے افتتاحی کلمات پیش فرمائے، بعدہ مقالہ خوانی کا سلسلہ شروع ہوا، مولانا رضاء اللہ عبد الکریم مدنی نے ”علامہ داود راز حیات و خدمات“ پر اور مولانا عبد الوہاب سامرودی نے ”مولانا راز صاحب اصحاب علم و فضل کی روشنی میں“ کے موضوع پر اپنا مقالہ پڑھا، مولانا عبد الجبار انعام اللہ سلفی، مولانا ارشد سکرادی اور مولانا محمد مقیم فیضی حفظہم اللہ نے اپنے مقالات کے ذریعہ حیات ”راز“ کو آشکارا کیا۔ مولانا امیر الحسن میر خان ندوی، مولانا ہلال احمد سلفی رایدیٹر ماہنامہ الاتحاد ممبئی اور علامہ داود راز کے فرزند ارجمند جناب نذیر احمد رازی نے اپنے تاثرات حوالہ سامعین کیے۔ بعد ازاں ڈاکٹر لیث محمد لال مکی نے ”خطبات نبوی“ اور مولانا عبد المنان سلفی نے ”تحریک جماعت اسلامی“ پر اپنا تجزیہ پیش کیا، مولانا مطیع اللہ سلفی، مولانا خالد جمیل مکی، مولانا عبد الحکیم عبد المعبود مدنی، مولانا رضاء اللہ عبد الکریم مدنی، مولانا محمد رحمانی سنابلی مدنی اور مولانا شیر خان جمیل احمد عمری برطانیہ حفظہم اللہ نے اپنے اپنے مقالوں سے نوازا۔ اس کے بعد کاشف شکیل سلفی نے اپنی نظم ”منقبت در شان علامہ داود راز“ سامعین کے سامنے پیش کی اور مولانا ظفر الحسن مدنی نے ”تحریک جماعت اسلامی اور مسلک اہل حدیث کا جائزہ“ پر اپنا مقالہ پڑھا، آخر میں امیر محترم مولانا عبد السلام سلفی اور قاری نجم الحسن فیضی کے تاثرات کے بعد ڈاکٹر فضل الرحمن مدنی کے صدارتی خطاب پر سیمینار اختتام پذیر ہوا، کلمات تشکر مولانا ظہیر الدین سنابلی نے ادا کیے، حفظہم اللہ۔ واضح رہے کہ علامہ داود راز رحمہ اللہ کی حیات و خدمات پر مشتمل کتاب کی رسم اجرا اسی روز بعد نماز مغرب عمل میں آئی، مقالات کا یہ مجموعہ ضخیم اور مجلد ہے صفحات کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔



ماہنامہ اہل السنۃ

۳۰

فی رسالہ:

۳۰۰

سالانہ:







فہم سلف کی روشنی میں اتباع کتاب و سنت کی دعوت

اختلافی مسائل پر مدلل تجزیات

علوم الحدیث پر معیاری مضامین

صحیح احادیث کی اشاعت اور ضعیف احادیث کی نشاندہی

خطبات جمعہ و موسمی دروس و تقاریر کے لئے نصوص و مواد کی ترتیب

بے پناہ گہرائی، انوکھے اسالیب، سنجیدہ افکار، معیاری مقالات اور منہجی توضیحات

ایک مکمل تحقیقی کورس پڑھنے کے لئے آج ہی ممبر بنیں۔


SIRF RS. 300/- (SALANA/YEARLY)

AHLUS SUNNAH MONTHLY URDU MAGAZINE GHAR BAITHE HASIL KAREN

SUBSCRIBE KIIYE IS LINK PAR :- www.islamsmessage.com/donate/

<p>For Bank Transfer</p> <p>Bank Name : ICICI Bank (Savings)</p> <p>Account Name : ILM Foundation</p> <p>Account Number : 102801002071</p> <p>IFSC Code : ICIC0001028</p> <p>MCR Code : 400229097</p> <p>Branch : Andheri Link Road, Mumbai</p>	<p>For Transfer Through PayTm</p>  <p>PayTm Number 8291063765</p>	<p>Ya Phir Hamein Contact Karen</p> <p>+91 8080807836</p> <p>+91 8291063765</p> <p>+91 8291063785</p>
--	---	---

If Undelivered Please Return To



Ahl us Sunnah

Islamic Information Centre

Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070.

Ph. 26 500 400 / 64269999

To,

Book Post